صرف محبت

فرحت اشتیاق

صرف محبت

جہاز چند لمحوں میں لینڈ کرنے والا تھا۔ وہ بڑے اُلجھے ہوئے انداز میں بیٹھی آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ بہت چھوٹی تھی وہ اس وقت جب ابو اور امی کے ساتھ ایک مرتبہ کراچی آئی تھی۔ اتنی چھوٹی کہ اسے اس وقت کی کوئی بات اب یاد بھی نہیں تھی۔ آج اتنے برسوں بعد وہ دوبارہ اس شہر میں آئی تھی اور نہیں جانتی تھی کہ یہاں اسے کس طرح کے حالات سے گزرنا ہوگا۔ ابو کی وفات کے بعد جس قسم کے حالات سے ان لوگوں کو گزرنا پڑا، انہوں نے اسے کسی حد تک بہادر بنا دیا تھا لیکن پھر بھی ملازمت کے لیے کسی دوسرے شہر جانے کا تو یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ نیا شہر، نئے لوگ۔ وہ پتا نہیں خود کو یہاں پر ایڈجسٹ کر بھی پائے گی یا نہیں اور سب سے بڑھ کر پھوپھو کے گھر قیام .... کیا وہ ان کے گھر میں رہ سکے گی؟

حالانکہ وہ خود کو بار بار پھوپھو کے اس کے بچپن سے لے کر اب تک کے تمام اچھے رویوں اور محبت بھرے سلوک کے بارے میں یاد دلا رہی تھی، لیکن پھر بھی بہت سی سوچیں اور بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اس کو تشویش اور پریشانی میں مبتلا رکھے ہوئے تھیں۔ پھوپھو بہت اچھی ہیں۔ ان لوگوں سے بہت پیار کرتی ہیں، لیکن پھوپھو کے گھر میں صرف وہ اکیلی تو نہیں رہتیں۔ وہاں انکل اور اس کے کزنز بھی تو رہتے ہیں اور پتا نہیں وہ لوگ اس کے اپنے گھر قیام کو پسند کریں گے بھی کہ نہیں۔ ان لوگوں نے کب پھوپھو اور ان کی فیملی کے ساتھ کوئی بہت اچھے اور محبت آمیز سلوک کر رکھے تھے، جو وہ بدلے میں یہاں اپنی مہمان نوازیوں اور محبتوں کی کوئی اُمید رکھتی۔ جو رویہ ابو اور خاص طور پر امی نے زندگی بھر پھوپھو کے ساتھ روا رکھا تھا، اسے دیکھتے ہوئے کسی اور کو تو کیا خود پھوپھو کو بھی اس کی آمد کی کوئی خوشی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ پھوپھو کے گھر یہ بن بلایا مہمان امی نے ہی اسے بنوایا تھا، ورنہ اس کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا، ان کے ہاں قیام کرنے کا۔

کراچی میں ایک سوفٹ ویئر ہاؤس (Software House) میں یہ جاب جس کے لیے اسے اپنا شہر اور اپنا گھر چھوڑنا پڑا، اسے عاقب خالو کے توسط سے ملی تھی۔ گو پنڈی میں اس کو جاب ملی ہوئی تھی، مگر بہت جان توڑ محنت اور انتہائی لگن سے کام کرنے کے بعد مہینے کے اختتام پر جتنے پیسے اس کے ہاتھ میں آتے، وہ ان لوگوں کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے ناکافی تھے۔ اگر وہ شوقیہ ملازمت کر رہی ہوتی تو اپنی اسی جاب کو جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ پنڈی میں ہی کسی مناسب جاب کے لیے کوششیں جاری رکھتی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ جاب اس کے لیے شوق، وقت گزاری اور تعلیم کو استعمال کرنے والی چیز نہیں تھی۔ یہ اس کے اور اس کے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے انتہائی ضروری تھی۔

دونوں بھائی جن تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے تھے، وہاں کی فیسیں اور دیگر اخراجات اس کی اس قلیل سی تنخواہ میں پورے نہیں ہو پاتے تھے۔ وہ بہت پریشان تھی۔ دورانِ تعلیم بھائی کہیں ملازمت کریں یا ٹیوشنز پڑھائیں۔ یہ بات نہ اسے پسند تھی نہ امی کو۔ ابو کی زندگی میں جو

عیش و آرام ان بھائیوں نے دیکھا تھا اور جتنے بے فکرے ماحول میں اپنے تعلیمی مدارج طے کیے تھے، اس کے بعد اسے یہ بات ناممکن دکھائی دیتی تھی کہ وہ پڑھائی اور جاب ساتھ ساتھ چلا سکتے ہیں۔

پھر ان دنوں جب وہ شدید ترین مایوسی کا شکار ہو کر اپنی کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کی ڈگری کو ایک کاغذ کے معمولی سے پرزے کے برابر سمجھنے لگی تھی، تب عاقب خالو نے اس کے لیے اس جاب کا بندوبست کر کے اسے مایوسی کے اس شدید ترین احساس سے باہر نکالا تھا، ورنہ خالہ کا حال تو یہ تھا کہ ابو کی وفات کے بعد جب جب وہ ان کے گھر آئیں اور بہن کی بیوگی اور معاشی پریشانیوں پر ان کے ساتھ مل کر روئیں تو اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں رونے سے ان کا میک اپ نہ خراب ہو جائے، پھر جب عاقب خالو کی کوششوں کے نتیجے میں اسے جاب ملی تو وہ خود تو بے حد خوش ہوئی، لیکن امی سخت فکر مند۔ اپنی نازوں پلی بیٹی کو ملازمت کے لیے دوسرے شہر بھیجنا ایک بہت مشکل کام تھا، ان کے لیے۔ جتنی بھاری بھرکم تنخواہ والی یہ جاب اسے کراچی میں ملی تھی۔ وہ اس وقت اس کی زندگی کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ امی نے اسے اس شرط پر کراچی جانے کی اجازت دی تھی کہ وہ وہاں پھوپھو کے گھر میں رہے گی۔

ساری زندگی جس نند کو انہوں نے خود سے کم تر اور بہت حقیر سمجھا۔ اب ابو کی وفات کے بعد انہیں اچانک اس کی وہ محبت اور خلوص نظر آنا شروع ہو گیا تھا، جسے انہوں نے ہمیشہ مکاری اور بھائی کی دولت کا لالچ قرار دیا تھا۔ وہ امی کو منع کرنا چاہتی تھی کہ انہوں نے کراچی پھوپھو کو فون کر کے اس کی جاب اور ان کے گھر رہائش کے بارے میں بات کر لی۔

پھوپھو کی محبت اور خلوص پر تو اسے کوئی شک تھا ہی نہیں۔ بچپن ہی سے اس کے ذہن میں پھوپھو کا ایک بہت ہی ملنسار اور محبت کرنے والی خاتون کا امیج بنا ہوا تھا، حالانکہ ابو کی زندگی میں وہ پنڈی بہت کم آئی تھیں۔ اتنے برسوں میں شاید دو مرتبہ۔ لیکن فون وہ ان لوگوں کو باقاعدگی سے کیا کرتی تھیں۔ چاہے امی کو ان کا فون کرنا اچھا لگ رہا ہو یا نہیں۔ وہ فون پر ان لوگوں کی خیریت پوچھنا کبھی نہیں بھولتی تھیں۔

ابو کے انتقال کے بعد جب وہ پنڈی آئیں اور ان لوگوں کے پاس کافی دنوں تک رہیں تب اسے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اپنے تمام رشتہ داروں میں اسے پھوپھو ہی وہ واحد ہستی نظر آئی تھیں، جن کا چہرہ دکھ اور غم کی تصویر بنا ہوا تھا۔ ان کا رونا ایسا تھا جیسے انہوں نے کوئی بہت عزیز ہستی کھو دی ہو۔ ان دنوں میں اسے ان کے وجود کی نرمی اور محبت نے بہت متاثر کیا تھا۔ انہوں نے شکوہ شکایت کی کوئی پٹاری نہیں کھولی تھی۔ امی پر کوئی طنزیہ جملے نہیں کسے تھے، بلکہ اس مشکل وقت میں انہیں اپنی طرف سے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا تھا۔

ائیر پورٹ پر اسے لینے کے لیے عاصم بھائی آئے ہوئے تھے۔ وہ انہیں دور سے دیکھ کر ہی پہچان گئی تھی۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے ان سے کبھی ملی نہیں تھی۔ صرف ان کی تصویر ہی دیکھ رکھی تھی۔ وہ انہیں پہچانتے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ ہچکچاتے ہوئے انداز میں ان کی طرف بڑھی، خود انہوں نے پتا نہیں اسے کیسے پہچانا تھا، جو بڑی تیزی سے اس سے پہلے ہی اس تک پہنچ گئے تھے۔

''السلام علیکم''۔ عجیب سی گھبراہٹ اور شرمندگی محسوس ہو رہی تھی، اسے ان کا سامنا کرتے ہوئے۔ ڈرتے ڈرتے اس نے ان کی طرف دیکھا۔ کہیں ان کی آنکھوں میں طنز اور تمسخر تو نہیں؟

''اتنے امیر باپ کی بیٹی نوکری کے لیے شہر شہر ماری ماری پھر رہی ہے۔ بے چارے غریب رشتہ داروں کے ہاں رہائش اختیار کرنے والی ہے، جن سے کبھی اس نے ملنا پسند نہ کیا، ان کے گھر بن بلائی مہمان بننے والی ہے''۔

مگر ان کی آنکھوں میں وہ ان میں سے کوئی ایک جملہ بھی کھوج نہیں پائی تھی، بلکہ ایک پُر خلوص سی مسکراہٹ جس نے ان کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا، وہ اسے نظر آئی تھی۔ اس کے سلام کا انہوں نے مُسکراتے ہوئے گرم جوشی سے جواب دیا اور پھر اسی خلوص اور اپنائیت کے ساتھ اسے لیے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھے تھے۔

ان کی بالکل نئے ماڈل کی قیمتی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کے ذہن میں بجو کا کئی سال پہلے کا ایک جملہ گونجا تھا۔

''خالی ڈگریوں کو لے کر کیا میں نے چاٹنا ہے۔ بندے کے پاس ڈگریوں کا انبار ہو۔ گلے میں ڈھیر سارے گولڈ میڈلز بھی ہوں، مگر جیب خالی ہو۔ ایسی ڈگریوں اور ایسے میڈلز کو میں دور سے سلام کرتی ہوں۔ میں تو شادی اس سے کروں گی جس کے پاس اتنا پیسہ ہو کہ میرے سب شوق پورے کر سکے۔ مجھے اپنا دل نہ مارنا پڑے، جو عیش و آرام مجھے اپنے باپ کے گھر میں میسر ہیں، وہ مجھے وہاں بھی ملیں''۔

بجو کی کہی باتیں یاد آتے ہی ایک سرد آہ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔ بہت بے ساختگی میں اس نے اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے عاصم بھائی کی طرف دیکھا۔ کتنے ہینڈسم اور ڈیسنٹ سے تھے وہ۔ جتنے ہینڈسم وہ اسے تصویروں میں لگے تھے، اس سے بھی بڑھ کر خوبرو تھے وہ۔ غیر شعوری طور وہ ان کا جلال بھائی کے ساتھ موازنہ کرنے لگی تھی۔ اسے امی، ابو کی چوائس پر ہمیشہ سے بھی بڑھ کر آج افسوس ہوا تھا۔ کرخت چہرے والے جلال بھائی جب اپنے نام کے معنی پورے کرتے ہوئے واقعی جلال میں آتے تو لمحہ بھر میں کسی کے بھی سامنے بجو کو بے عزت کر کے رکھ دیا کرتے تھے۔ ویسے بیوی بچوں کے ساتھ اچھی طرح، بڑی محبت سے رہتے تھے۔ بجو اور بچوں کی ہر شاپنگ دبئی، سنگاپور اور لندن سے ہوتی تھی۔ ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں وہ لوگ یورپ میں گزارتے تھے۔ بجو سونے اور ڈائمنڈز سے لدی رہتی تھیں، لیکن یہ سب عیش و آسائش وہ ایک ہی منٹ میں برابر بھی کر دیا کرتے تھے۔ اپنے کرائے ہوئے عیش اور شاپنگ کے بجو کو بیچ محفل میں طعنے دے کر۔

''میں یوں گھماتا ہوں، یوں شاپنگ کراتا ہوں، اس قدر عیش کرواتا ہوں، تھی تمہاری اوقات اس سب کی؟ تمہارے باپ نے تو بس اتنی دولت کمائی تھی کہ ایک جھٹکے میں سب ختم ہو گیا''۔

وہ ابو، امی کی لاڈلی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینے والی لالہ رُخ ظفر جو شادی سے پہلے بہت نخریلی اور دوستوں کے حلقے میں بڑی مغرور مشہور تھی، پتا نہیں اپنے شوہر کے ہاتھوں یہ ذلت کس طرح سہتی تھی۔ خود دانیا کا جلال بھائی کا یہ انداز دیکھ کر ذلت اور غم و غصے سے بُرا حال ہو جاتا تھا۔

ایک بار اس نے بہت غصے کے عالم میں بجو کو ان کی بے حسی اور بے غیرتی کا احساس دلانا چاہا تو وہ جواباً بڑی سنجیدگی سے سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''شوہر کے ساتھ گزارا کرنے کے لیے بیوی کو تھوڑا سا بے غیرت بننا ہی پڑتا ہے۔ اس رشتے میں انا کو لے آئیں تو یہ رشتہ نبھایا نہیں جا سکتا۔ اچھا یا بُرا جیسا بھی ہے، اب مجھے اسی شخص کے ساتھ گزارا کرنا ہے''۔ عجیب سا تھا ان کا فلسفہ۔ جس سے اس کو بہت اختلاف تھا۔

وہ یونہی گم صم سی بیٹھی بجو اور جلال بھائی کے بارے میں ہی سوچے چلے جارہی تھی۔تب ہی اچانک عاصم بھائی کی آواز پر چونکی تھی۔وہ اس سے کچھ کہہ رہے تھے۔اپنے ذہن سے سب سوچوں کو جھٹکتے ہوئے،وہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔گاڑی بہت سے انجانے اور نئے راستوں سے گزرتی ہوئی اس نہایت ہی عالی شان مکان کے خوب صورت سے پورچ میں جا کر رکی تو وہ اس مکان کی خوب صورتی اور مکینوں کے ذوق کو سراہتی ہوئی گاڑی سے اُتر گئی۔پھوپھو شاید اس کی آمد کے انتظار میں گیٹ کی طرف ہی دھیان لگائے بیٹھی تھیں،جو فوراً ہی داخلی دروازہ کھولتی،تیزی سے درمیانی راستہ عبور کرتے پورچ میں آئی تھیں۔

''آگئی میری بیٹی''۔ہمیشہ کی طرح ان کا انداز والہانہ اور محبت بھرا تھا۔ان کے وجود میں سے وہی پیاری سی سانسوں کو معطر کردینے والی خوشبو آرہی تھی،جو ہمیشہ اسے مسحور کردیا کرتی تھیں۔

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر آگئیں۔

''ردا!''انہوں نے بھابھی کو آواز دی،جو غالباً کچن میں تھیں۔ان کی آواز سنتے ہی وہ فوراً لاؤنج میں آئیں۔

''کیسی ہو دانیا؟''پھوپھو کے تعارف کروانے پر انہوں نے مُسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔نرم و نازک سے سراپے والی خوب صورت سی ردا عاصم کو اس نے بہت غور سے دیکھا۔

پھوپھو اسے گھر کے باقی افراد کی عدم موجودگی کی بابت بتارہی تھیں۔

''ثمین ابھی کالج سے نہیں آئی۔داؤد اور تمہارے انکل بھی شام میں گھر آئیں گے''۔

''آپ کو بھی میری وجہ سے اپنے آفس سے جلدی اُٹھنا پڑ گیا ہوگا''۔اس نے اپنے بالکل سامنے صوفے پر بیٹھے ہوئے عاصم بھائی سے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ایسے جیسے اپنی وجہ سے ان کا وقت ضائع کروادینے پر نادم ہورہی ہو۔

وہ ابھی اس کی اس پُرتکلف سی بات کے جواب میں کچھ بول بھی نہیں پائے تھے کہ بھاگتے دوڑتے دو بچے آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔عاصم بھائی کی طرف جاتے جاتے وہ دونوں اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رُکے اور پھر فوراً ہی اس کے پاس آگئے۔

''السلام علیکم۔آپ دانیا پھوپھو ہیں نا''۔

لڑکی نے اس سے پوچھا تھا۔اس نے مُسکراتے ہوئے سر ہلادیا اور پھر اس کے سلام کا جواب دے کر بولی۔

''تم میرال ہو اور یہ شارم ہے''۔

''آپ کو ہم لوگوں کے نام کیسے پتا چلے؟''وہ حیران ہوئی تھی۔وہ اس کی حیرت پر ہنس پڑی۔

''پھوپھو،عاصم بھائی اور بھابھی بھی اس گفتگو پر مُسکرا رہے تھے۔

''مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ تم دونوں کون سے اسکول میں اور کون سی کلاسز میں پڑھتے ہو''۔اس نے ہاتھ پکڑ کر ان دونوں کو اپنے پاس بٹھالیا۔

''بھئی اگر کھانا کھلا رہی ہو تو جلدی سے کھلادو،ورنہ پھر میں چلوں''۔عاصم بھائی نے بھابھی سے کہا تو وہ جلدی سے واپس کچن میں چلی گئیں۔

کھانے کے بعد وہ پھوپھو اور بھابھی کے ساتھ بیٹھ کر باتوں میں مصروف تھی کہ ''لو ثمین بھی آ گئی'' ثمین کو اندر آتا دیکھ کر بھابھی بولیں۔ وہ بہت تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ پھوپھو، عاصم بھائی اور بھابھی کے برخلاف وہ اس کے ساتھ بڑے روکھے اور خشک سے انداز سے ملی۔ چہرے پر ہلکی سی خیر مقدمی مسکراہٹ لانے کی بھی اس نے زحمت نہیں کی تھی۔

''بھابھی! بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔ جلدی سے یہ بتائیں کہ آج پکایا کیا ہے''۔ اس سے سلام دعا کرتے ہی وہ بھابھی کی طرف گھومی۔

''تمہاری پسند کی ڈشز ہیں، فکر مت کرو۔ جاؤ فریش ہو کر آؤ۔ میں تب تک تمہارے لیے کھانا نکالتی ہوں''۔ بھابھی نے تسلی دینے والے انداز میں کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی فوراً کھڑی ہو گئی۔

پھوپھو اور ابو وہ دو ہی تو بہن بھائی تھے۔ کیسی بے غرض تھی پھوپھو کی محبت، جسے بھائی سے لاتعلقی اور بے گانگی کا کوئی شکوہ نہیں تھا۔ بہن کو زندگی بھر بھلائے رکھنے پر کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھے چلی جا رہی تھی۔ عصر کی اذانوں کے وقت ہی ان کی باتیں ختم ہوئی تھیں۔ نماز کے لیے اُٹھتے ہوئے انہوں نے اسے کچھ دیر آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

''باتوں میں لگائے رکھا میں نے تمہیں، ایسا کرو، تھوڑی دیر سو جاؤ''۔ اسے نہ تو نیند آ رہی تھی اور نہ ہی یہ وقت اسے سونے کے لیے مناسب لگ رہا تھا۔ اس لیے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں اپنے بالکل فریش ہونے کا یقین دلایا تھا۔

مغرب کے بعد انکل اور پھوپھو دونوں اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے تھے۔

''بالکل اپنا گھر سمجھ کر رہنا یہاں۔ کسی قسم کا تکلف کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ انکل شاید اس کے تکلف کو محسوس کر گئے تھے، اسی لیے بڑی اپنائیت سے اس سے یہ بات کہی۔

اسی وقت لاؤنج کا دروازہ کھول کر گھر کا وہ آخری فرد اندر آیا تھا جس سے ابھی تک وہ ملی نہیں تھی۔

''بہت دیر لگا دی بیٹا''۔ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھوپھو نے کہا تو وہ جواباً بڑی سنجیدگی کے ساتھ دیر ہو جانے کی وجہ بتانے لگا۔

وہ اندر آتے ہی اسے دیکھ چکا تھا، لیکن اس نے از خود اس کے ساتھ ہائے ہیلو کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ پھوپھو کے تعارف کروانے پر بہت رسمی اور ہلکی سی مسکراہٹ صرف اتنی کہ اس میں کسی قسم کی گرم جوشی اور اپنائیت ظاہر نہ ہو، چہرے پر لاتے ہوئے اس نے دانیا سے سلام دعا کی......اور پھر معذرت کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آفس میں پہلا دن ویسا ہی گزرا جیسا وہ توقع کر رہی تھی۔ کام کی نوعیت سمجھتے اور ساتھ کام کرنے والوں کا تعارف حاصل کرتے۔ جن کے انڈر میں اسے کام کرنا تھا۔ وہ بہت ہی اصول پسند، سخت مزاج اور پروفیشنلزم پر انتہائی حدوں تک یقین رکھنے والے انسان نظر آ رہے تھے۔ آفس کی طرف سے پک اینڈ ڈراپ کی کوئی سہولت نہیں تھی، لیکن اس کی بعض کولیگز نے اپنے طور پر آفس آنے جانے کے لیے وین لگوائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے لیے بھی اسی میں آنے جانے کا بندوبست کروا لیا تو بڑا سکون محسوس ہوا۔ کم از کم ایک پریشانی تو دور ہو گئی تھی۔

گھر واپسی پر پھوپھو کا اپنے لیے محبت بھرا، پرتشویش انداز اسے اجنبی فضاؤں میں اپنائیت کا بھرپور احساس دلا گیا تھا۔ وہ اس کی جاب

کے بارے میں، وہاں کے ماحول کے بارے میں، کولیگز کے رویے کے بارے میں، ایک ایک بات پوری تفصیل سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ ماں سے دور تھی مگر ماں کی طرح ہی اپنے لیے فکر مند ہونے اور محبت کرنے والی ایک ہستی اس کے پاس تھی۔

☆

آنے والے چند دن اس نے اس گھر کے ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنے اور آفس میں کام سمجھنے میں گزار دیئے تھے۔ آفس جاب اس کے لیے نئی بات نہیں تھی، اس لیے تھوڑی سی کوشش کے بعد خود کو وہاں پر ایڈجسٹ کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ مگر حیرت تو اسے اس بات پر تھی کہ پھوپھو کے گھر میں جو وہ یہ سمجھتی تھی کہ وہ رہ ہی نہیں پائے گی تو اس کا یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوا تھا۔

ان کے گھر کا ماحول اس کے گھر کے ماحول سے بالکل مختلف تھا، لیکن پتا نہیں کیا بات تھی، اسے ان کے گھر کی ہر بات اچھی لگ رہی تھی۔ ان سب گھر والوں کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت۔ پھوپھو کی اپنے شوہر اور بچوں سے محبت۔ وہ کسی این جی او اور کسی سوشل ورک کے غم میں مبتلا نہیں تھیں۔ اپنے گھر کی فکر چھوڑ کر وہ معاشرے کو سدھارنے کی فکر میں نہیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان بہن بھائیوں کی آپس میں محبت۔ عاصم بھائی کی اپنی بیوی اور بچوں سے محبت۔

وہ پیسہ کمانے کی دھن میں اس حد تک مگن نہیں ہو گئے تھے کہ اپنی فیملی کو نظر انداز کر دیتے۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اس گھر میں پیسے کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن اسے اس حد تک اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے کہ رشتوں پر اسے ترجیح دے دیتے۔ اپنے گھر میں کب اس نے یہ ماحول دیکھا تھا۔ ساری زندگی ابو کو دولت بڑھانے اور آگے سے آگے بڑھنے کی فکر کرتے دیکھا تھا۔ وہ بزنس جو ابتدا میں انہوں نے بہت چھوٹے پیمانے پر شروع کیا تھا۔ آہستہ آہستہ اسے پھیلاتے چلے گئے تھے۔ اس معاملے میں امی، ابو میں زبردست ہم آہنگی تھی۔ وہ لوگ کوئی ہمیشہ سے ہی اس شان وشوکت سے نہیں رہ رہے تھے۔ اس کے پیچھے قسمت کے ساتھ ساتھ ابو کی یہ خوبی بھی تھی کہ وہ پیسہ کمانا جانتے تھے۔ لوگوں سے کونیکس کیسے بڑھاتے ہیں، کن لوگوں سے ملنا فائدہ مند ہے اور کن لوگوں سے ملنا بے فائدہ اور یہی عادات امی کی بھی تھیں۔ جیسے جیسے ان کا اسٹیٹس اونچا ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنے تمام پرانے ملنے والوں اور دوستوں کو چھوڑتے چلے گئے۔ ان کے گھر میں آئے دن گیٹ ٹوگیدرز ہوا کرتی تھیں۔ بہانے بہانے سے گھر پر پارٹیز ارینج کی جاتی تھیں اور ان پارٹیز میں چن چن کر ان تمام کاروباری دوستوں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ جن سے کسی بھی طرح کا فائدہ حاصل ہونے کی اُمید تھی۔ انہیں نئے زمانے کے ساتھ چلنے کے تمام انداز آتے تھے۔ ایمان داری اور اصولوں کو وہ کتابی باتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند ہی سالوں میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔ سوائے اپنے سگے بہن بھائیوں کے امی کسی کم حیثیت آدمی سے ملنا ہرگز پسند نہیں کرتی تھیں۔ ان بہن بھائیوں نے اسی ماحول میں پرورش پائی تھی۔

لیکن اس پر پتا نہیں کیوں ان باتوں کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ دوستی کرتے وقت کبھی مقابل کے اسٹیٹس کی طرف دھیان نہیں دیتی تھی۔ حالانکہ بجو اس معاملے میں بالکل امی اور ابو کی جیسی سوچ رکھتی تھیں۔ امی اور بجو کو اس سے بہت سی شکایتیں تھیں۔ پتا نہیں وہ کس پر پڑی تھی۔ اسے ملازمین کے ساتھ برابری کے درجے پر بات کرتا دیکھ کر امی کا بلڈ پریشر ہائی ہو جایا کرتا تھا۔ بجو اس کی غریب پروری کا مذاق اُڑایا کرتی تھیں۔

بعض دفعہ کئی کئی دن ہو جاتے ابو کو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے ہوئے۔ اسے یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کیا کریں۔ ساتھ کھانا کھایا کریں۔ وہ کبھی ایسی کسی خواہش کا اظہار کرتی تھی تو امی جھٹ اسے ٹوک دیتیں۔

''بہت ضروری ڈنر میں شرکت کرنا ہے، تمہارے ابو کو۔ پتا ہے وہاں کون کون آیا ہوا ہوگا۔ اس قسم کے ڈنرز کو تو کسی بھی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہیے''۔ ہنس کی چال چلنے کی کوشش کرتے وہ اپنا اصل ہی بھول گئیں تھیں۔ اپر کلاس کی بیگمات والے تمام شوق انہوں نے اختیار کر لیے تھے۔ کرسٹلز اور ڈائمنڈز کی باتیں، دبئی کے شاپنگ مالز کی باتیں، سوشل ورک اور مظلوم عورتوں کو ان کے حقوق دلوانے کی باتیں۔

پھوپھو ہمیشہ ان لوگوں سے فون پر رابطہ رکھا کرتی تھیں۔ کبھی ابو گھر پر ہوتے تو ان سے بات کر لیتے، ورنہ اگر کوئی اور فون اٹینڈ کر کے بعد میں انہیں میسج دیتا تو انہیں کبھی اس بات کے لیے وقت نہیں ملتا تھا کہ انہیں جوابی کال کر لیں۔

وہ شاید اس حد تک مادہ پرست ہو گئے تھے کہ سگی بہن سے ملتے ہوئے بھی ان کے ذہن میں یہ بات رہتی تھی کہ اس سے ملنے میں کیا فائدہ ہے۔ ایک کالج پروفیسر کی بیوی سے ملنے میں نہ امی کو کوئی فائدہ نظر آتا تھا نہ ابو کو، لیکن وہ بھائی سے یقیناً بہت محبت کرتی تھیں، جو کبھی ان کے رویے پر ناراض نہ ہوئی تھیں۔

اسی طرح ہر دوسرے تیسرے مہینے فون کر کے بھائی، بھاوج اور بچوں کی خیریت معلوم کیا کرتی تھیں۔ امی نے انہیں کبھی کوئی اہمیت نہیں دی تھی مگر ایک روز جب وہ اپنے اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر کنگلے بیٹے کا رشتہ ان سے مانگ لینے کی جسارت کر بیٹھیں تو امی تو امی خود ابو بھی سخت طیش میں آ گئیں۔ پھوپھو نے فون پر ابو سے رشتے کی بات کی تھی۔

''یہ اچھا شارٹ کٹ نکالا ہے۔ سوچا ہوگا ماموں اتنا مال دار ہے، میرے بیٹے کی تو زندگی بن جائے گی۔ خود کے میاں میں تو کوئی گٹس تھے نہیں۔ ساری زندگی حلال حرام کرتے، پروفیسری کرتے گزار دی۔ اب بھائی سے محبت کا ڈرامہ رچا کر بیٹے کا مستقبل سنوارنے کی تدبیر کی جا رہی ہے''۔

امی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پھوپھو کو ایسی سنائیں کہ ان کی طبیعت صاف ہو جائے۔ ان کی جرأت کیسے ہوئی ان کی نازوں پلی حسین بیٹی کا اپنے بیٹے کے ساتھ نام بھی لینے کی۔ وہ عاصم بھائی کے کیریر کی شروعات تھی۔ انہوں نے نئی نئی جاب شروع کی تھی، اگر چہ یہ بات کسی اندھے کو بھی نظر آ سکتی تھی کہ ان کے کیریئر کا آغاز ہی بہت شان دار ہے۔ آگے ترقی اور کامیابی کے واضح امکانات تھے، مگر غرور اور گھمنڈ کی جو پٹی امی کی آنکھوں پر بندھی تھی، اس نے انہیں یہ بات دیکھنے ہی نہیں دی تھی کہ وہ خود اپنے ہاتھوں ایک ہیرے کو ٹھکرا رہی ہیں۔

پھوپھو کو انکار کر کے امی ابو نے جلال بھائی کا رشتہ قبول کر لیا تھا، وہاں رشتہ طے کرنے میں فائدے ہی فائدے تھے۔ اپنے سے بھی اونچے خاندان میں بیٹی بیاہ کر انہوں نے اپنی عقل مندی اور بیٹی کی خوش قسمتی پر ناز کیا تھا۔ رشتے سے انکار ہونے پر پھوپھو کو یقیناً دکھ تو ہوا ہوگا، لیکن انہوں نے پھر بھی بھائی سے قطع تعلق نہیں کیا تھا، لیکن اب امی ان سے پہلے سے بھی زیادہ چڑنے لگی تھیں۔ انہیں ایسا لگتا تھا کہ وہ بھائی کی دولت پر نظریں لگائے بیٹھی ہیں اور یہ محبت صرف ڈھکوسلہ ہے۔

ابو جو یہ سمجھتے تھے کہ یہ تمام دولت انہوں نے اپنی ذہانت اور عقل مندی سے کمائی ہے۔ اب اپنی تمام تر ذہانت اور عقل مندی کے باوجود وہ

اسے ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ جس کام میں اپنی طرف سے خوب سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالتے، اسی میں انہیں بھاری نقصان ہوتا۔ وہ بہت پریشان اور اُلجھے ہوئے رہنے لگے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہیں کوئی ڈوری اُلجھ گئی ہے۔ تقدیر کی مہربان پری ان سے روٹھ گئی تھی جو لوگ ان سے تعلقات بڑھانے اور کاروباری معاملات طے کرنے میں فخر محسوس کیا کرتے تھے، آہستہ آہستہ ان سے کھنچنے لگے تھے۔ دوستوں کا رویہ تبدیل ہونے لگا تھا۔

اپنے آفس ہی میں انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اتنا شدید کہ وہ اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ اس روز بھی انہوں نے اپنے نقصان کی خبر سنی تھی۔ ان کا پہلے ہی سے پریشان اور فکروں میں ڈوبا دل اس خبر کو برداشت نہیں کر پایا تھا۔ خود کو اس مالی بحران سے نکالنے اور کاروبار کو سنبھالا دینے کے لیے انہوں نے مختلف جگہوں سے مختلف شکلوں میں بے تحاشا قرض لے رکھا تھا۔ ان کی زندگی میں تو وہ لوگ اس بات سے آگاہ نہیں تھے مگر ان کے مرنے کے بعد جب یہ ہولناک خبر ان لوگوں کو ملی تو ابو کا غم بھول کر وہ لوگ اس فکر میں مبتلا ہو گئے کہ اب ہوگا کیا۔

ان کی سب پراپرٹی، سارا بینک بیلنس سب ختم ہو گیا تھا۔ وہ بہت ساری جائیداد جو اتنے سالوں میں انہوں نے بڑی محبت سے بنائی تھی، سب فروخت کرنی پڑ گئی تھی۔ صرف وہ گھر جس میں وہ لوگ رہتے تھے، بکنے سے رہ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا، اب ان لوگوں کو زندگی نئے سرے سے شروع کرنی پڑے گی۔

وہ ان دنوں اپنے آخری سمسٹر میں مصروف تھی۔ امی کی ساری سوشل ایکٹویٹیز، فنکشنز، لوگوں سے میل جول، سب ختم ہو گیا تھا۔ وہ سارا سارا دن کمرے میں چپ چاپ پڑی رہتی تھیں۔ عادل اور شہو بھی اُداس اُداس اور خاموش رہنے لگے تھے۔ جلال بھائی کا رویہ تو ابو کی زندگی ہی میں بہت بدل گیا تھا۔ وہ بھی ابو اور امی کی طرح رشتہ داری میں بھی فائدہ نقصان ذہن میں رکھا کرتے تھے۔ اب سسرال سے کوئی فائدہ ملنے کی اُمید نہیں تھی، اس لیے وہ ان لوگوں کے ہاں زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے۔

امتحانوں سے فارغ ہوتے ہی اسے جاب مل گئی تھی، جتنی اس کی سیلری تھی، اتنے پیسوں کی ابو کی زندگی میں وہ ڈھنگ کی شاپنگ تک نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے مہینے جب اپنی بے حد معمولی مگر بڑی محنت سے کمائی ہوئی تنخواہ اس کے ہاتھ میں آئی تو خوشی کے ساتھ ساتھ اسے ایک عجیب سا احساس بھی ہوا۔ اتنے پیسے تو امی بڑے آرام سے بیوٹی پارلر میں خرچ کر آیا کرتی تھیں۔ جتنے پیسوں میں آج ان کی بیٹی کو نوکری ملی تھی۔ آخر وہ بھی تو اسی گھر اور اسی ماحول کا حصہ تھی۔ اس نے بھی تو یہیں پرورش پائی تھی، پھر آخر اسے ہی صرف ایسا کیوں لگ رہا تھا کہ یہ ان لوگوں کے بڑے بولوں کی سزا ہے۔ امی کی اپنے سے کم تر کو حقیر سمجھنے کی سزا ہے۔

☆

اسے پھوپھو کے گھر رہتے ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ ثمین کے علاوہ یہاں سب کا رویہ اس کے ساتھ اچھا تھا۔ داؤد گو اس کے ساتھ بہت زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا۔ اکثر کھانے کی میز یا آتے جاتے اس پر نظر پڑنے پر سلام دعا کر کے ''کیسی ہو؟''، ''جاب کیسی چل رہی ہے؟'' جیسے رسمی جملے بول دیا کرتا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے آپ کسی مہمان کے ساتھ رسمی طور پر اخلاق برتتے ہیں۔

اس سے براہِ راست کچھ کہے بغیر بھی ثمین نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ اس سے سخت نفرت کرتی ہے اور اس سے بات کرنا، اس کے

ساتھ بیٹھنا اسے کچھ بھی پسند نہیں ہے۔ چند ابتدائی کوششوں کے بعد وہ خود بھی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اسے ثمین کے رویے پر دکھ ہوتا تھا، وہ اسے اس رویے کے لیے حق بجانب بھی سمجھتی تھی۔

پھوپھو کے اپنے سسرالی رشتہ داروں سے مثالی تعلقات تھے۔ ان کی نندیں، دیور سب ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ہر کام کرنے سے پہلے ان سے مشورہ کرنا پسند کرتے تھے۔ ان کی رائے اور ان کا مشورہ سب کے لیے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ بھابھی خود پھوپھو کی نند کی بیٹی تھیں اور شادی کے اتنے برسوں بعد، رشتے کے نوعیت تبدیل ہو جانے کے باوجود بھی بھابھی کے میکے والوں سے پھوپھو کے تعلقات اتنے ہی اچھے تھے، جتنا اس رشتہ سے پہلے تھے۔ کسی کے گھر میں کوئی مسئلہ، کوئی پریشانی ہوتی تو وہ پھوپھو کے پاس یوں دوڑتا ہوا آتا جیسے کوئی بچہ پریشانی میں ماں کو تلاش کرتا ہوا آتا ہے۔ ان سب کزنز کی بھی آپس میں بہت اچھی دوستی تھی۔

ثمین جس کے چہرے پر اس کے لیے ہلکی سی دوستانہ مسکراہٹ بھی نہیں آتی تھی۔ اپنی کزنز کے ساتھ بلند بانگ قہقہے لگاتی تھی۔ اس روز بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ پھوپھو کے دیور کا گھر ان سے اگلے ہی بلاک میں تھا۔ ان لوگوں کا ایک دوسرے کے گھر بہت زیادہ آنا جانا تھا۔ اس روز ثمین اپنی دونوں کزنز کے ساتھ لان میں بیٹھی باتیں کرتی ہوئی سموسوں اور چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ چھٹی کا دن تھا۔ بالکل فارغ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتی وہ بے تحاشا بور ہو رہی تھی۔ گلاس ڈور سے اس پار لان میں باتیں کرتی وہ لوگ اسے صاف نظر آ رہی تھیں۔ زندہ دلی سے ہنستی، قہقہے لگاتی اس نے یونہی اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر ان لوگوں کو بڑے غور سے دیکھا تھا۔ اسے ان خوش باش ہنستی کھلکھلاتی لڑکیوں کو دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔

اس کا بھی جی چاہا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھے مگر یہ صرف لمحہ بھر کی سوچ تھی۔ ثمین کا اجنبی سا انداز ذہن میں آیا تو اس نے فوراً سر جھٹک کر نظریں دوبارہ ٹی وی کی طرف کر لی تھیں۔ ”کیا بات ہے دانیا! تم اکیلی کیوں بیٹھی ہو“۔ عاصم بھائی، بھابھی اور بچے کہیں باہر سے گھوم پھر کر واپس آئے تھے۔ چلتے وقت اخلاقاً انہوں نے اس سے بھی چلنے کو کہا تھا، مگر اس نے تھکن کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی تھی۔

”ہاں۔ باہر وہ ثمین، ندا اور سحر بیٹھی ہیں۔ تم ان کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھیں۔ اکیلے بور نہیں ہو رہیں“۔ بھابھی نے بھی محبت سے اس سے کہا۔

”اصل میں یہ پروگرام بڑا زبردست آ رہا ہے۔ اسے انجوائے کرتے ہوئے مجھے بور ہونے کا وقت ہی نہیں ملا“۔

اس سے یہ بات کہی نہیں جا سکی تھی کہ ثمین نے اسے باہر بلایا ہی نہیں تھا، لیکن عاصم بھائی نے بڑی سنجیدگی سے اس کی بات سنی۔ بہت غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے، وہ شاید کوئی بات اخذ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نظروں سے کنفیوژ ہو کر وہ انہیں اس ٹی وی پروگرام کے بارے میں بتانے لگی تھی۔

وہ رات کو اپنے اگلے دن پہننے والے کپڑے استری کر کے واپس لاؤنج میں آئی تو پھوپھو ثمین کو ڈانٹ رہی تھیں۔ عاصم بھائی اور داؤد بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔

”آپ محبت نچھاور کریں اپنی لاڈلی بھتیجی پر۔ میں ایسے رشتے داروں کو دور سے سلام کرتی ہوں“۔

پتا نہیں اس سے پہلے پھوپھو نے اس سے کیا کہا تھا، جس کے جواب میں اس نے بہت چڑچڑے انداز میں کہا۔

''جو بھی ہے، وہ ہمارے گھر مہمان ہے۔ میں کئی دنوں سے تمہیں اس حوالے سے ٹوکنا چاہ رہا تھا۔ آج وہ جس طرح اکیلی بیٹھی ہوئی تھی، مجھے بہت بُرا لگا''۔ عاصم بھائی نے بہن کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''ہماری امی ہی کافی تھیں، سارے جگ پر محبتیں نچھاور کرنے کے لیے۔ آپ کو کیا ہوگیا ہے بھیا! زہر لگتی ہے مجھے ماموں کی ساری فیملی۔ اپنا مطلب پڑا تو رشتہ داری یاد آگئی، ورنہ کبھی پلٹ کر بہن کو پوچھا تک نہیں تھا۔ یہ بھی تو ممانی ہی کی بیٹی ہے۔ اپنی اماں اور بہن صاحبہ سے کیا مختلف ہوگی''۔

ثمین نے بڑی خفگی سے ان کی بات کا جواب دیا۔ وہ چپ چاپ آ کر سونے لیٹ گئی تھی۔

اسے ثمین کی اپنے لیے نفرت بہت بُری اور تکلیف دہ لگی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ میں ایسی نہیں ہوں جیسا تم سمجھ رہی ہو، لیکن اسے یہ بات بتا نہیں سکتی تھی۔

☆

صبح وہ معمول کے انداز میں ہی جلدی جلدی تیار ہو کر بھابھی کے پاس کچن میں آ گئی۔

''مجھے بتائیں، کیا کام رہ گیا ہے''۔ اس نے کچن میں آتے ہی بھابھی کو مخاطب کیا۔ جو شارم کو دودھ پینے کے لیے بڑی مشکلوں سے راضی کر رہی تھیں۔ شارم اور میرال دونوں کچن ٹیبل پر ہی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ بھابھی نے بڑے تشکرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

''شکر ہے تم آ گئیں۔ داؤد کو آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ ذرا جلدی سے یہ آملیٹ فرائی کر کے اسے دے آؤ''۔ وہ سر ہلاتی ہوئی کوکنگ رینج کی طرف مڑی تھی۔ چولہے پر فرائنگ پین رکھ کر اس نے جلدی جلدی آملیٹ تیار کیا تھا۔ بڑی احتیاط کے باوجود بھی اس سے اس شکل صورت کا آملیٹ نہیں بن سکا تھا، جیسا بھابھی بناتی تھیں۔ وہ اس کی شکل وصورت پر غور کرتی پلیٹ اُٹھا کر ڈائننگ روم میں آئی۔

اخبار پڑھتے داؤد کے سامنے اس نے پلیٹ رکھی تو بھابھی کے بجائے اسے اپنی خدمت کرتا دیکھ کر وہ ایک پل کے لیے چونکا۔ وہ پلیٹ رکھتے ہی فوراً واپس پلٹ گئی۔ کچن کے دروازے پر رُکی، وہ داؤد کو آملیٹ کی طرف حیرت سے دیکھتا دیکھ رہی تھی۔ روزانہ سے مختلف شکل والا یہ آملیٹ اسے یقیناً حیران کر رہا تھا، لیکن بس اس نے ایک لمحہ ہی کے لیے اسے حیرت سے دیکھا تھا، پھر اس کے بعد وہ کھانے میں مصروف ہوگیا تھا۔

☆

ثمین نے اس کے ساتھ اپنے رویے میں قدرے تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ بہت پُرتکلف انداز میں وہ اس کے ساتھ تھوڑی بہت بات چیت کرنے لگی تھی مگر اس کے چہرے پر بیزاری اور جھنجلاہٹ صاف نظر آیا کرتی تھی۔ اس روز وہ آفس سے واپس آئی تو ثمین کو کچن میں دل وجان سے مصروف دیکھ کر چونک گئی۔ کچن میں نظر آتا پھیلاوا اور ثمین کی مصروفیت یہ ظاہر کر رہے تھے کہ شاید گھر میں کوئی دعوت ہے۔

''بہت شاندار دعوتی اہتمام ہو رہا ہے''۔ وہ کپڑے بدل کر پھوپھو کے پاس ہی آ کر لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

''بس یہ ان بچوں کے شوق ہیں۔ آج کالج بھی نہیں گئی ثمین، صبح سے کچن میں لگی ہے۔ میرے اور ردا کے کچن میں داخلے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ پتا نہیں شمیم کو ساتھ لگائے کیا پکا رہی ہے''۔ انہوں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''آپ نے اب تک کپڑے بھی نہیں بدلے''۔ ثمین کچن سے نکل کر لاؤنج میں آئی تھی۔

''ارے ہٹاؤ بھی۔ اب اس عمر میں کوئی یہ چونچلے اچھے لگتے ہیں۔ سالگرہ بچوں کی منائی جاتی ہے یا بڈھوں کی۔ ٹھیک ہیں یہی کپڑے''۔ انہوں نے بیٹی کی فرمائش کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ جو بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سالگرہ کے ذکر پر خود ہی بات سمجھ گئی۔

''پلیز امی! میں نے کپڑے استری کر کے آپ کے کمرے میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کی خاطر ہی تیار ہو جائیں۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

ابھی ان دونوں کے درمیان یہ بحث ہو ہی رہی تھی کہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر داؤد اندر آیا۔ بہت سے شاپنگ بیگز ہاتھوں میں پکڑے، خوب لدا پھندا۔

''سنبھالو انہیں''۔ اس نے ثمین کو سارے تھیلے پکڑائے تھے۔ وہ کھڑے کھڑے ہی تمام تھیلے چیک کرنے لگی۔

''شکر ہے آپ کیک لے آئے داؤد بھائی! میں یہی سوچ رہی تھی کہ آج تو میں نے بھی کیک بیک نہیں کیا۔ اگر آپ کیک لانا بھول گئے تو مزہ آجائے گا''۔ ثمین نے گویا اطمینان کا سانس لیا تھا۔

''کیک لانا تو میں بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ بڑی یاد سے صبح ہی آرڈر کرتا ہوا گیا تھا۔ پچھلی بار جو تم نے شاندار قسم کا کیک بنایا تھا، اسے کاٹنے کے لیے سب آری ڈھونڈ رہے تھے، اس کے بعد تو میں کسی بھی طرح کا رسک لے ہی نہیں سکتا تھا''۔

وہ ثمین کو چڑاتا ہوا پھوپھو کے برابر ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ موبائل ایک طرف ڈالتے ہوئے اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی تھی۔ ''یہ سب بعد میں دیکھ لینا۔ پہلے مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔ آفس سے تھکا ہارا بازاروں میں خوار ہوتا ہوا آرہا ہوں''۔

اس نے سامان کا جائزہ لیتی ثمین کو ٹوکا تو وہ سب چیزیں ہاتھوں میں اٹھائے واپس کچن میں چلی گئی۔ اور بہت خاموشی سے داؤد کو پانی لا کر دیا۔ اسی دوران سیڑھیاں اترتی بھابھی بھی اسے نظر آگئیں۔ بہت خوب صورت بلیک کلر کی ساڑھی پہنے وہ خوب سجی سنوری اور پیاری لگ رہی تھیں۔

''کیا مزے دار اور دلچسپ اتفاق ہے کہ ہم لوگوں کی ویڈنگ اینورسری ایک ہی دن ہوتی ہے''۔

''سویٹ بھابھی جان! یہ اتنا زیادہ اتفاقیہ واقعہ بھی نہیں ہے۔ آپ لوگوں کی شادی کی وہی ڈیٹ رکھنے میں جو امی، پاپا کی بھی شادی کی تاریخ تھی۔ میرے خیال سے پاپا کی اس سوچ کا زیادہ دخل تھا کہ میرے بیٹے کی شادی شدہ زندگی بھی اتنی ہی اچھی اور کامیاب گزرے جتنی میری گزری''۔

داؤد نے بھابھی کی بات کا جواب بڑے شرارتی سے انداز میں دیا۔ آپس میں بات چیت کرتے ہوئے وہ لوگ عاصم بھائی کا انتظار کر رہے تھے، جن کے آفس سے آنے پر سالگرہ منائی جانی تھی۔ اسے ثمین پر شدید قسم کا غصہ آرہا تھا۔ لاکھ وہ اسے ناپسند کرتی ہے، مگر اسے کم از کم یہ بات تو دانیا کو بتا دینی چاہیے تھی کہ آج پھوپھو اور انکل اور عاصم بھائی اور بھابھی کی شادی کی سالگرہ ہے۔ وہ ان کے گھر کی فرد نہیں، مگر فی الحال تو وہ ان ہی کے گھر میں رہ رہی ہے۔ اسے بے تحاشا انسلٹ کا احساس ہوا تھا۔

اسے ایسا لگا وہ ان سب سے الگ ہے۔ وہ بالکل پرائی اور غیر۔ اس کا دل چاہا وہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جائے۔ اپنی یہاں موجودگی اسے بڑی بے معنی اور فضول لگ رہی تھی۔

''ہر سال یہ لوگ اس طرح امی پاپا کو اور مجھے اور عاصم کو سرپرائز دیتے ہیں۔ ایک ایسا سرپرائز جو اتنا زیادہ سرپرائز بھی نہیں ہوتا۔ پتا ہوتا ہے ہمیں کہ کچھ نہ کچھ خفیہ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کھانے کے لیے مینو سوچا جا رہا ہے۔ چھپ چھپ کر تحفے خریدے اور پیک کیے جا رہے ہیں'' بھابھی مسکراتے ہوئے اس کے برابر میں بیٹھ گئیں۔ اس کا ان کی بات کے جواب میں کچھ بھی بولنے کا دل نہیں چاہا۔ وہ رسمی سے انداز میں مسکرائی تک نہیں۔

بھابھی نے اس کی خاموشی پر کچھ چونک کر بغور اس کی طرف دیکھا۔ انہیں ایک دم احساس ہوا تھا کہ وہ بہت زیادہ چپ بیٹھی ہوئی ہے۔

''تمہیں کیا ثمین نے بتایا نہیں تھا؟'' انہوں نے آہستگی سے پوچھا

سامنے بیٹھی پھوپھو جو اس سالگرہ کے سارے اہتمام کو ایک بچکانہ بات سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہی تھیں۔ وہ بھی بے ساختہ بھتیجی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ثمین پر بہت زیادہ غصے کے باوجود وہ اس وقت اپنی وجہ سے وہاں کا ماحول خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھوپھو اور باقی تمام افراد اس بات پر یقیناً ثمین کو بہت کچھ کہتے۔ خوشی کی تقریب میں اس کی وجہ سے ٹینشن اور بدمزگی پیدا ہو، یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ اس نے بہت خوش خوش لاؤنج میں آئی اور اپنے بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھی ثمین کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر جواباً بولی۔

''اس وقت بیٹھی میں اسی بات کا تو افسوس کر رہی ہوں۔ پتا نہیں میری یادداشت اتنی خراب کیوں ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے اب مجھے نہار منہ بادام کھانے شروع کر دینے چاہئیں۔ ابھی گھر واپس آ کر سارا اہتمام دیکھ کر بھی مجھے یاد نہیں آیا کہ آج کیا دن ہے

حالانکہ پچھلے ہفتے ثمین نے مجھے بتایا تھا کہ 16th کو آپ لوگوں کی شادی کی سالگرہ ہے اور شرمندہ ہو رہی ہوں کہ آفس سے جلدی آجاتی کچھ ثمین کی ہیلپ ہی کرا دیتی۔ بے چاری اکیلی کاموں میں لگی رہی''۔

ثمین کا چہرہ جو اس کے جواب سے پہلے بالکل فق ہو گیا تھا، ایک دم نارمل ہو گیا۔ اس نے اتنے مضبوط لہجے میں جھوٹ بولا تھا کہ اس پر جھوٹے ہونے کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہاتھ ملتی وہ بہت ہی متاسفانہ انداز میں اپنی یادداشت کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔

''چھوڑ بھی یہ کون سی ایسی خاص تقریب ہے، جس کے یاد نہ رکھے جانے پر افسوس ہو۔ میں تو ان لوگوں سے کہتی ہوں کہ بس عاصم اور ردا کی شادی کی سالگرہ منائی جانی کافی ہے۔ یہ لوگ بلاوجہ ہم بڑھیا بڈھے کو بھی گھسیٹ لیتے ہیں''۔ پھوپھو سے بھتیجی کا افسوس زیادہ دیر تک برداشت نہیں ہوا۔ ثمین اس سے نظریں چرائے بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

داؤد جو بڑی دیر سے لاپروائی سے بیٹھا شارم سے باتیں کر رہا تھا۔ اپنی گفتگو موقوف کر کے اس نے بہت غور سے اسے اور پھر ثمین کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی ایک نظر کے بعد کسی بھی طرح ردِعمل ظاہر کیے بغیر وہ دوبارہ شارم کے ساتھ کھیلنے لگا۔ اسے گدگدا کر ہنساتا، وہ بھتیجے کے ساتھ مگن تھا جبکہ بھابھی، پھوپھو کے اس دن کی مخالفت میں دیئے جانے والے کمنٹس سے اختلاف کر رہی تھیں۔

''آخر حرج کیا ہے امی اس بات میں۔ ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں تو زندگی کا حُسن ہے۔ بڑی خوشیاں تو زندگی میں بہت کم اور بہت

دنوں میں آتی ہیں۔ کیا یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ جن لوگوں کے ساتھ آپ زندگی گزار رہے ہیں وہ وقتاً فوقتاً آپ کو اپنی محبت کا احساس دلاتے رہیں۔ یہ بتاتے رہیں کہ آپ کا وجود ان کے لیے بہت اہم ہے۔'' پھوپھو، بھابھی کی بات پر تائیدی انداز میں مُسکرا دیں۔ یوں جیسے ان کی بات سے سو فیصد متفق ہو گئی ہوں۔

عاصم بھائی کو آتا دیکھ کر ثمین جلدی سے سجی ہوئی ڈائننگ ٹیبل کو فائنل ٹچ دینے کے لیے اٹھی تھی۔ کچھ دیر پہلے کیونکہ وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کر چکی تھی کہ اس نے ثمین کی اس سارے اہتمام میں کوئی مدد نہیں کروائی، اسی لیے اپنی بات نبھانے کے لیے خود بھی اُٹھ کر اس کے پاس ڈائننگ روم میں آ گئی تھی۔ ثمین بہت شرمندہ سی نظر آ رہی تھی، وہ بغیر کچھ جتائے اس کی مدد کروانے لگی تھی۔

سب کے ساتھ مل کر اس گھریلو سی تقریب میں شرکت کرتی وہ خود کو اس ماحول کا حصہ ثابت کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی، ورنہ درحقیقت اس کا دل یہاں سے بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا۔

آئی ایم سوری دانیا! مجھے آپ کو یہ بات بتا دینی چاہیے تھے''۔ وہ سونے کے لیے لیٹ ہی رہی تھی، جب ثمین اس کے کمرے میں آئی۔

وہ آج کی بات پر ثمین سے بہت بُری طرح متنفر ہو گئی تھی۔ اسے اس لڑکی پر بے پناہ غصہ تھا، لیکن اس وقت جس طرح وہ شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر اسے بے ساختہ اس بات کا احساس ہوا کہ بظاہر بدتمیز اور بداخلاق نظر آنے والی یہ لڑکی اصل میں ایسی نہیں۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی، اپنے رویے پر شرمندگی تھی، اس کے بڑے پن کا اعتراف تھا۔

''آپ نے میری بدتمیزی کو اتنے بڑے پن سے نبھایا۔ سب کے سامنے جھوٹ بول کر میری بداخلاقی پر پردہ ڈالا۔ اگر امی اور پاپا کو اصل بات پتا چل جاتی تو وہ مجھ پر بہت ناراض ہوتے۔ سب کا موڈ خراب ہوتا اور تقریب کا سارا مزہ ہی ختم ہو جاتا''۔ وہ بیڈ پر اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی۔ سر جھکائے وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔

''چلو کوئی بات نہیں، میں نے تمہیں معاف کیا۔ تم بھی کیا یاد کرو گی، لیکن اب میں اتنی اچھی بھی نہیں ہوں۔ تھوڑی بہت پینلٹی تو تمہیں دینی ہی پڑے گی۔ اکیلے شاپنگ کرنے کا مجھے کوئی تجربہ نہیں۔ اب کل تم ہی مجھے بازار لے کر چلو گی تاکہ میں پھوپھو اور انکل اور عاصم بھائی اور بھابھی کے لیے گفٹس خرید سکوں۔ کل میرا آف ڈے ہوگا۔ تم لنچ کے بعد تیار رہنا۔ کھانا کھاتے ہی ہم بازار چلیں گے''۔ ثمین نے بڑی بہنوں والے اس کے انداز پر بڑے متعجب سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے نا''۔ اس کی طرف دیکھتے اس نے تصدیق چاہی تو ثمین نے گردن ہلا دی۔

''آپ بہت اچھی ہے دانیا! میں آپ کو بالکل غلط سمجھتی تھی''۔

''ہم اکثر لوگوں کو غلط ہی سمجھتے ہیں۔ دراصل لوگوں کو سمجھنا ہے ہی بہت مشکل کام۔ اتنا مشکل کہ میرا خیال ہے اس سبجیکٹ میں بھی یونیورسٹیز میں کوئی ڈگری پروگرام شروع ہونا چاہیے''۔ وہ بے تکلفی سے کہتے ہوئے مُسکرائی۔ ثمین بھی اتنی دیر میں پہلی مرتبہ مُسکرائی۔

''ویسے چھوٹا بننے والے کوئی مسئلے مجھے لاحق نہیں ہیں۔ تم چاہو تو بڑی خوشی سے مجھے آپی، باجی جو چاہے کہہ سکتی ہو۔ میں ہرگز برا نہیں

مانوں گی“۔

وہ شرارتی سے انداز میں مسکرائی۔ ثمین اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”اکثر لوگ برا مان جاتے ہیں ناں۔ اس لیے میں تو کوشش کرتی ہوں کہ اپنے سے بڑی کسی خاتون کو آنٹی، باجی کہے بغیر صرف آپ جناب سے ہی کام چلا لوں“۔ وہ بے تکلفانہ انداز میں اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔

☆

عاصم بھائی، بھابھی اور بچے گھومنے کے لیے ہانگ کانگ اور بنکاک گئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد گھر میں بہت خاموشی اور اداسی سی محسوس ہو رہی تھی اسے۔ بچوں کے ہونے سے گھر میں خوب شور شرابا اور ہنگامہ رہا کرتا تھا۔ اب ان کے بغیر بڑی خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔

”بھیا لوگوں کے جانے سے بڑی بوریت ہو رہی ہے ناں“۔ رات کے کھانے کے بعد وہ اور ثمین لان میں واک کرتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ اس نے گردن ہلا کر اس کی بات کی تائید کی۔

”چلو یار سونا نہیں ہے“۔ ثمین کا اندر جانے کا موڈ نہ دیکھ کر اس نے خود ہی اسے ٹوکا۔ وہ اس کے جمائی لینے اور اندر جانے کی بات پر چڑ گئی تھی۔

”آج تو ویک اینڈ ہے۔ آج بھی آپ جلدی سوئیں گی“۔ وہ اس کے جلدی سونے کی عادت پر ناراض نظر آ رہی تھی۔

”سونے کو تھوڑی کہہ رہی ہوں۔ اندر چلتے ہیں۔ کمرے میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھیں گے اور ساتھ باتیں کریں گے“۔ وہ اس کی ناراضی کے خیال سے سونے کا خیال ملتوی کر گئی اور ثمین کے ساتھ اس کے کمرے ہی میں آ گئی۔ ثمین کا غالباً خوب دیر تک جاگنے کا موڈ تھا، اسی لیے بڑے اہتمام سے کافی بنا کر اور پلیٹ میں ڈھیر سارے چپس رکھ کر کمرے میں آ گئی۔ دھڑا دھڑ چپس کھاتی وہ دونوں مختلف چینلز بدل بدل کر کبھی کوئی پروگرام دیکھنے لگیں تو کبھی کوئی۔

”یہ فلم اچھی لگ رہی ہے“۔ کوئی انگلش مووی تھی۔ اسکرین پر نظر آتا ہینڈسم سا بندہ دیکھ کر ہی ثمین نے فلم کے اچھا ہونے کی پیشن گوئی کر دی تھی۔

”فلم اچھی نہیں ہے۔ یہ کہو تمہیں ہیرو اچھا لگ رہا ہے“۔ دانیا نے اسے چھیڑا۔

”یہ تو مجھے کوئی ہارر مووی لگ رہی ہے۔ چینل چینج کرو ثمین“۔ رات کا وقت، سنسان جنگل اور وہاں ایک اکیلی خوف زدہ لڑکی اسے اگلے سین میں نظر آئی تو بے ساختہ ثمین کو چینل تبدیل کرنے کے لیے کہا تھا۔

”نہیں۔ ہارر تو نہیں لگ رہی۔ میرا خیال ہے کچھ Detective اور سسپنس ٹائپ کی مووی ہے“۔ ثمین کی ساری دلچسپی اس سین میں تھی۔ وہ تنہا لڑکی درختوں اور جھاڑیوں میں الجھتی پتا نہیں کس چیز سے بھاگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی کے صرف پیر بھی دکھائے جا رہے تھے۔ لانگ شوز پہنا، وہ آدمی جیسے اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ صرف ہلکی سی پیروں کی جھلک۔ اس کے پیروں تلے آ کر پتوں کی چرچراہٹ تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ ثمین کو ٹوکنے کے باوجود وہ خود بھی اسکرین ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ڈر تو لگ رہا تھا، مگر

ایک تجسس سا بھی محسوس ہو رہا تھا۔ آگے کیا ہوگا۔ ہوتے ہوتے وہ آدمی اس لڑکی کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اس ویران سے جنگل میں اندھا دھند بھاگتے اس لڑکی کو ایک پرانا کھنڈر نما مکان نظر آیا تو وہ خود کو بچانے کے لیے اس میں گھس گئی۔ بہت بڑا حویلی نما مکان۔ وہ مکان کا مرکزی دروازہ مضبوطی سے بند کر کے سیڑھیاں چڑھتی، تیزی سے ایک کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ چیخنے لگا کہ جیسے ہی وہ مڑی تو اس کے بالکل پیچھے ایک بہت لمبا چوڑا آدمی کھڑا ہوا تھا۔ پورے چہرے کو ہیٹ سے ڈھانپے ہوئے، لمبا سا اوور کوٹ پہنے ہوئے۔ اِدھر فلم میں اس لڑکی کے منہ سے چیخ نکلی تھی، ادھر اس کے پلٹنے پر اس آدمی کو کھڑا دیکھ کر ان دونوں کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ ثمین کے نزدیک ہوگئی تھی۔ اس نے اسکرین پر سے نظریں ہٹالی تھیں، لیکن کانوں میں تو ساری آوازیں آرہی تھیں۔ اس لڑکی کی چیخیں، اس آدمی کے بے ہنگم قہقہے۔

''کیا ہوا مر گئی جولی؟'' کچھ دیر بعد اس نے ثمین سے پوچھا۔

''میرا خیال ہے، مرگئی ہے''۔ اس نے ''خیال'' کے لفظ پر ثمین کی طرف چونک کر دیکھا تو پتا چلا کہ وہ محترمہ بھی اسکرین سے نظریں ہٹائے صرف آوازوں پر کان لگائے بیٹھی ہیں۔

ڈرتے ڈرتے ان دونوں نے اسکرین کی طرف دیکھا تو وہ آدمی جولی کی لاش کو گھسیٹتا ہوا نظر آیا۔ جس کمرے میں وہ جولی کو لایا تھا۔ اس کمرے میں ڈھیر ساری انسانی کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ درمیان میں رکھی چپس کی پلیٹ ہٹاتے ہوئے ثمین اس سے بالکل چپک کر بیٹھ گئی تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ بالکل جڑ کر بیٹھی وہ ہینڈسم ہیرو کو جولی کا سرتن سے الگ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ اس کا سر الگ کر کے اس نے ہاتھوں میں لیا اور اس میں سے بہتا ہوا خون دیکھ کر زور زور سے ہنسنے لگا۔

اگلا سین بالکل نارمل تھا۔ وہ ہینڈسم ہیرو جو یونیورسٹی میں لیکچرر تھا، کلاس روم میں اپنے اسٹوڈنٹس کو لیکچر دیتا نظر آیا تھا۔ کلاس روم میں داخل ہوتی ایک نئی اسٹوڈنٹ کو دیکھ کر ایک پل کے لیے اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ اُبھری تھی۔

''میرا خیال ہے، یہ اسی طرح چن چن کر خوب صورت لڑکیوں کو مارتا ہے۔ دیکھو باقی بھی تو کلاس میں کتنی اور لڑکیاں ہیں، وہ کسی کو اس انداز سے نہیں دیکھ رہا۔ آگے فلم میں بتائیں گے کہ اس کی وجہ کیا ہے، لیکن بہرحال بات یہی ہے۔ جولی بھی تو کتنی خوب صورت تھی''۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔

ثمین نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

اسی طرح ڈرتے اور ہر خوفناک سین پر اسکرین سے نظریں ہٹاتے ان دونوں نے پوری فلم دیکھی تھی۔ فلم ختم ہونے پر ٹی وی بند کر کے ثمین بیڈ کی طرف واپس آئی تو وہ ہنوز بیڈ پر جمی بیٹھی تھی۔

''ثمین! آج میں یہیں سو جاؤں''۔ یہ بات کہتے ہوئے اسے شرمندگی تو بہت ہو رہی تھی۔

''میں خود آپ سے یہی کہنے والی تھی دانیا آپی'' ثمین کی بات نے اس کی شرمندگی زائل کر دی تھی۔ بغیر لائٹ بند کیے وہ دونوں سونے کے

لیے لیٹ گئیں۔

''تمہیں ڈر لگ رہا ہے شین!'' کچھ دیر بعد اپنے برابر لیٹی شین کو اس نے آواز دی۔

''بہت زیادہ۔ جیسے ہی آنکھیں بند کر رہی ہوں۔ ڈھیر ساری کھوپڑیاں نظر آنے لگتی ہیں'' شین نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

ساری رات یونہی ڈرتے اور سوتی جاگتی کیفیت میں گزر گئی تھی۔

پھوپھو فجر کی نماز کے لیے شین کو اُٹھانے آئیں تو ان دونوں کو ایک ساتھ اور وہ بھی لائٹ جلائے سوتا دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔ اس وقت تو وہ بغیر کچھ پوچھے صرف اُٹھا کر چلی گئیں، لیکن بعد میں کچن میں ناشتے کی تیاری کے دوران انہوں نے ان دونوں سے اس بارے میں پوچھا۔

پھوپھو نے ان دونوں کو مشترکہ ڈانٹ پلائی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر شین اپنے شام میں پہننے والوں کپڑوں اور جیولری وغیرہ کے چکر میں لگ گئی تھی۔ آج اس کی بیسٹ فرینڈ کی منگنی تھی۔ دوپہر کے کھانے سے بھی پہلے وہ داؤد کے ساتھ اپنی دوست کے گھر چلی گئی تھی۔ اس کا رات میں وہیں رُکنے کا ارادہ تھا۔

شین کے جانے کے بعد گھر میں مزید خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ پھوپھو کے ساتھ باتیں کرتی چھٹی کا دن گزارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ لوگ شام کی چائے پی رہے تھے، جب حیدرآباد سے انکل کے ایک عزیز کے انتقال کی خبر آئی۔ بہت افراتفری میں پھوپھو اور انکل حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ رات میں کھانے کی میز پر صرف وہ اور داؤد تھے۔ آپس میں ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کھانا کھایا۔

''کافی لاؤں آپ کے لیے؟'' شین روز رات میں داؤد کو کافی بنا کر دیا کرتی تھی۔ آج وہ نہیں تھی تو اس نے اخلاقاً داؤد سے پوچھا۔

''اگر زحمت نہ ہو تو پلیز''۔ لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے داؤد نے اسے جواب دیا۔ وہ کافی بنا کر لائی تو داؤد اس کے ہاتھ سے کپ لے کر شکریہ کہتا ہوا صوفے پر سے اُٹھ گیا تھا۔

''بہت دنوں سے اپنی میلز نہیں دیکھیں میں نے۔ اس وقت فرصت ہے، میرا خیال ہے یہ کام کر ہی ڈالوں''۔ وہ اپنے یوں اُٹھ جانے کی وجہ بتاتا ہوا لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ بھی اپنے کمرے میں آ گئی۔ لائٹ آف کرنے کے ساتھ ہی اسے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا۔ وہ خوف جو آج دن بھر میں ایک مرتبہ بھی محسوس نہیں ہوا تھا، اس وقت ہو رہا تھا۔ قصداً اپنا دھیان ہر طرف سے ہٹا کر وہ آیت الکرسی پڑھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ معاً اسے لان میں کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ پتوں کی چرچراہٹ .... وہ بے ساختہ اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ایک نظر بہت ڈرتے ڈرتے اس نے اس بند کھڑکی کی طرف ڈالی جو بالکونی میں کھلتی تھی اور جس کے پیچھے لان میں اس وقت پتا نہیں کون تھا۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے برف۔ اچانک کھڑکی بجی تھی، ایسا لگا تھا کہ کوئی کھڑکی کے باہر بالکونی میں کھڑا تھا۔ وہ تیزی سے اُٹھی اور دروازہ کھول کر اندھا دھند بھاگتی ہوئی داؤد کے کمرے کی طرف آئی۔ زور زور سے دروازہ پیٹتے ہوئے وہ اسے آواز بھی دے رہی تھی۔

''داؤد! دروازہ کھولیں پلیز''۔ اسے آواز دینے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پیچھے بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ ہر بار پیچھے دیکھنے پر یہی لگتا کہ کوئی اس کے عین سر پر کھڑا شیطانی انداز میں ہنس رہا ہے۔ داؤد شاید سو چکا تھا۔ دروازہ کھول کر نیند سے بوجھل آنکھیں لیے اس نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''کیا ہوا دانیا؟'' اسے یوں متوحش دیکھ کر اس کی نیند بالکل بھاگ گئی تھی۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے، گھر میں کوئی گھس آیا ہے۔ میں نے لان میں کسی کے چلنے کی آواز سنی ہے''۔ پسینے میں نہائی تھر تھر کانپتی وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ داؤد اس کی بات سنتے ہی تیزی سے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ وہ خود بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی۔ اسے لاؤنج میں آ کر بے دھڑک دروازہ کھولنے کا ارادہ کرتا دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے پاس آئی۔

اس طرح سے تو ایک دم باہر مت نکلیں، اگر واقعی کوئی ہوا اور اس کے پاس اسلحہ بھی ہوا تو پھر''۔ اس نے داؤد کو ہاتھ پکڑ کر روکا۔

اس نے ایک نظر دانیا کے خوف زدہ چہرے پر ڈالی اور پھر اس کا ہاتھ ہٹاتا ہوا باہر نکل گیا۔ صرف لان کا ہی کیا اچھی طرح ہر طرف کا جائزہ لینے کے بعد وہ واپس اندر آ گیا۔

''کوئی نہیں ہے۔ یونہی تمہیں وہم ہوا ہے''۔ لاؤنج کا دروازہ واپس بند کر کے وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ وہ بھی سست قدموں سے اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

داؤد اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، جبکہ وہ بھی اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔ کمرے کا دروازہ کھولتے کھولتے وہ ایک جھر جھری سی لے کر فوراً رک گئی۔

''وہاں لان میں مجھے کہاں ڈھونڈ رہی تھیں۔ میں تو یہاں بیٹھا ہوں'' اسے ایسا لگا جیسے ہی وہ دروازہ کھولے گی، اسے وہ سامنے ہی ہیبت سے منہ چھپائے بیڈ پر بیٹھا نظر آئے گا۔ وہ بے ساختگی میں اُلٹے قدموں بھاگتی داؤد کے پاس آئی۔ اسے یوں دوڑ کر اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ کمرے میں جاتا جاتا رک گیا۔

''اب کیا ہوا؟'' اس بار اس کے لہجے میں واضح جھنجلاہٹ اور کوفت تھی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' بغیر شرمندہ ہوئے وہ اسے یہ اطلاع دے رہی تھی۔

''کس چیز سے ڈر لگ رہا ہے۔ دیکھ تو لیا ہے میں نے سب طرف۔ کوئی نہیں ہے، جاؤ آرام سے سو جاؤ شاباش''۔ اس نے بڑی مشکلوں سے اپنے آپ کو بدلحاظ ہونے سے روکا تھا، ورنہ اس کی ان حرکتوں پر اسے ٹھیک ٹھاک غصہ آ رہا تھا۔

''نہیں۔ میں اپنے کمرے میں نہیں جاؤں گی''۔ وہ اس سے پہلے اس کے کمرے میں گھس گئی۔

''مجھے پلیز، یہاں پر بیٹھا رہنے دیں''۔ وہ اس کے چہرے پر نظر آتی برہمی اور ناگواری کو دیکھتے ہوئے التجائیہ لب ولہجہ اختیار کر گئی تھی۔

''آخر تمہیں ڈر لگ کس چیز سے رہا ہے؟'' اس کی آنکھوں میں نظر آتے آنسو دیکھ کر اس نے اپنے لہجے کی سختی کم کی۔

''مجھے پتا ہے، کہیں پر بھی کوئی نہیں ہے۔ یہ سب میرا وہم ہے، لیکن پھر بھی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ داؤد لائٹ آن کرتا سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

''اصل میں کل میں نے اور ثمین نے ایک بہت ہی ہارر موی دیکھی تھی۔ شاید اسی کا اثر ہے، ابھی تک''۔ بہت شرمندہ سے لہجے میں وہ سر

جھکا کر اسے صحیح بات بتانے لگی۔ داؤد نے اس کی بات سن کر شاید منہ ہی منہ میں لاحول ولاقوۃ کہا تھا۔

''ایک سفاک قاتل تھا، اس میں۔ وہ چن چن کر اپنے گرد موجود خوب صورت لڑکیوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا کرتا تھا۔ پھر ان کے سر جسم سے الگ کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیا کرتا تھا''۔ وہ کانپتی ہوئی آواز میں اسے فلم کی کہانی سنانے لگی تھی۔ انداز کچھ ایسا تھا کہ دیکھو میں بیکار میں نہیں ڈر رہی۔ بڑی معقول وجہ ہے، میرے پاس خوف زدہ ہونے کی۔ وہ جو اتنی دیر سے جھنجلایا ہوا اور کوفت میں مبتلا، اس کی شکل دیکھ رہا تھا، بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''خوب صورت لڑکیوں کو''۔ اس نے لفظ خوب صورت کو خوب لمبا کھینچا تھا۔ ایسے جیسے اس لفظ کو بہت انجوائے کر رہا ہو۔

''اب اپنے کمرے میں جاتے ہوئے تمہیں ایسا لگ رہا ہے کہ وہ وہاں پہلے سے موجود ہوگا۔ ایک اور خوب صورت لڑکی کو قتل کرنے کے لیے۔ اس کا سر اپنے پاس اسٹاک کرنے کے لیے''۔ وہ ابھی تک با آواز بلند ہنس رہا تھا۔ وہ اس وقت جتنی خوف زدہ تھی، ایسے میں اس کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

''تمہیں ایسا نہیں لگ رہا کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔ دیکھو غور سے''۔ اس کے ہاتھ جیسے کوئی بہت ہی دلچسپ بات لگی تھی۔ وہ اس کے مذاق پر ایک پل کے لیے تو واقعی اس کی طرف غور سے دیکھنے لگی تھی، پھر اس کے چہرے کی شرارتی سی مسکراہٹ پر نظر پڑی تو بری طرح شرمندہ ہو کر نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

''اچھا تو دانیا ظفر! جو ایک خوب صورت لڑکی ہیں، اس وقت سخت خوف زدہ ہیں۔ ایک انجانے قاتل سے۔ خوب صورت لڑکیوں کی کھوپڑیاں جمع کرنا جس کی ہابی ہے''۔ اس کا انداز سراسر مذاق اُڑانے والا تھا، لیکن اس وقت وہ اس کی کسی بھی بات کا بُرا نہیں مان رہی تھی۔

''اتنے خوف کی حالت میں خودستائی کا یہ عالم ہے''۔ اس نے داؤد کی سرگوشی نما خود کلامی سنی۔ وہ بیڈ روم فریج میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ چند سیکنڈز بعد وہ پلٹا تو اس کے ہاتھ میں جوس کے دو کین تھے۔

''پی لو۔ پہلے ہی تمہارا خاصا خون خشک ہو چکا ہے''۔ کین کھول کر جوس پیتے ہوئے اس نے گم صم سی دانیا کو مخاطب کیا۔

''میری وجہ سے آپ کی نیند ڈسٹرب ہو رہی ہے''۔ اسے خود پر سخت غصہ بھی آ رہا تھا، شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی، مگر یہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں واپس جانے کے خیال سے ہی اس کا دل بیٹھ رہا تھا۔

''ہاں۔ نیند تو میری ڈسٹرب ہو رہی ہے، لیکن کیا کریں مجبوری ہے۔ وہاں وہ ظالم اور سفاک قاتل جو انتظار میں بیٹھا ہے، ایک خوب صورت لڑکی کے''۔ اس نے جیسے لفظ خوب صورت کو اس کی چھیڑ بنا لیا تھا۔ اسی ایک لفظ کو لیے وہ مسلسل اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

وہ اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر خفگی کا اظہار کرتی بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ جوس کا کین خالی کر کے اسے ڈسٹ بن میں پھینکتا ہوا، وہ کمپیوٹر آن کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ انٹرنیٹ کنیکٹ (Connect) کرتا وہ مکمل طور پر مانیٹر کی طرف متوجہ تھا۔

''آپ کو سونا ہے تو سو جائیں''۔ وہ اس کی وجہ سے سو نہیں پا رہا اور وقت گزارنے کے لیے کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گیا ہے، یہ بات سمجھتے ہوئے وہ

بے ساختہ بولی تھی۔

''آپ یہیں تشریف رکھیں گی۔ مجھے سونا ہے تو میں سو جاؤں۔ بہت شکریہ، بڑی نوازش۔ آپ کی اتنی کرٹسی اور میری نیند کا خیال کرنے پر''۔ وہ اس کی طرف سر گھما کر کچھ طنزیہ سے انداز میں بولا اور پھر دوبارہ اپنا رخ کمپیوٹر کی طرف کر لیا۔

گھڑی دو بجا رہی تھی۔ کتنی دیر تک وہ داؤد کو انٹرنیٹ پر مصروف دیکھتی رہی۔ وقت گزارنا اور صبح کا انتظار کرنا بہت ہی مشکل کام لگ رہا تھا۔ کتنی دیر بعد گھڑی کی طرف دیکھا تو بھی گھڑی کی سوئیاں تھوڑا سا ہی آگے بڑھی تھیں۔

آخر صبح کب ہوگی، دِن نکل آئے۔ ہر طرف روشنی پھیل جائے۔ رات ختم ہوگی تو یہ خوف بھی ختم ہو جائے گا۔

کہیں بہت دور سے اذان کی ہلکی سی آواز آنی شروع ہوئی تو اس نے سکون اور طمانیت بھری گہری سانس لی۔ کتنی دیر سے وہ بے دِلی سے میگزین کے اوراق پلٹ پلٹ کر وقت کو گزارنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ میگزین بند کر کے رکھتے ہوئے اس نے کمپیوٹر ٹیبل کی طرف دیکھا۔ داؤد ٹیبل پر سر رکھ کر بے خبر سو رہا تھا۔ اپنی وجہ سے اس کی نیند خراب کرنے پر افسوس کرتی، وہ آہستہ سے اُٹھی تھی۔ اس کی نیند نہ ٹوٹے، یہی سوچ کر اس نے اپنی طرف سے بڑی احتیاط سے اور بغیر آواز پیدا کیے دروازہ کھولا، لیکن پھر بھی وہ ایک دم چونک گیا تھا۔ ٹیبل سے سر اُٹھا کر اس نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ایک نگاہ گھڑی پر ڈال کر وہ جلدی سے اُٹھا اور پھر اس سے بھی پہلے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ اسے اپنے سے آگے تیز تیز چلتا ہوا تعجب سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر گھسا اور پھر بغور پورے کمرے میں نظریں دوڑانے لگا۔

''خوب صورت لڑکی آپ اندر آسکتی ہیں۔ یہاں کوئی جن بھوت وغیرہ نہیں پائے جاتے''۔ وہ دروازہ کھول کر بالکونی میں جھانکتا ہوا باآواز بلند اس سے بولا۔ اس کے ہاتھوں اپنی یہ شامت اس نے خود ہی بلوائی تھی۔

''داؤد پلیز۔'' وہ روہانسی آواز میں چلائی۔ اسے ڈرتا دیکھ کر اس نے ہنستے ہوئے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔

☆

عاصم بھائی اور بھابھی واپس آگئے تو گھر کی ساری رونق بھی واپس آگئی۔ باقی سب کے ساتھ ساتھ بھابھی، اس کے لیے بھی تحفے لائی تھیں اور ان کے وہ تحفے اس نے بڑی خوشی خوشی قبول کر لیے تھے۔

''پھوپھو! آپ کے گھر میں مجھے ایسا کیوں لگتا ہے، جیسے میں اپنے ہی گھر میں ہوں۔ ذرا سی بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا، حالانکہ آپ لوگوں کا رہن سہن، طور طریقے، سب ہمارے گھر کے رہن سہن سے مختلف ہیں۔ بعض دفعہ تو مجھے ایسا لگتا ہے، یہ میرا ہی گھر ہے۔ میں جیسے ہمیشہ ہی سے یہاں رہتی رہی ہوں''۔ اس روز وہ پھوپھو سے کہہ بیٹھی تھی۔ وہ اس کی بات سن کر کھل کر مُسکرا دیں۔

''یہ تمہارا ہی گھر ہے میری جان''۔ پھوپھو کا جواب ویسا ہی محبت بھرا تھا، جیسا ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔ داؤد کو کمرے میں آتا دیکھ کر وہ ایک دم چپ ہوگئی۔ وہ اس وقت پھوپھو کے کمرے میں ان کے پاس بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ داؤد پھوپھو کو ان کی دوا دینے آیا تھا۔ دوا پکڑ کر وہ جس سنجیدگی سے آیا تھا، اسی سنجیدگی کے ساتھ فوراً ہی چلا بھی گیا تھا۔

اسے اپنی یہ جذباتی سی باتیں داؤد کے سن لینے پر بہت بُرا محسوس ہوا۔

☆

''یہ رافعہ کیا تم لوگوں کی فرسٹ کزن ہے؟'' اس نے ثمین سے پوچھا۔

''فرسٹ کزن تو نہیں ہے۔ ہے تو کچھ دور کی رشتہ داری۔ مجھے تو سیدھے سادے رشتے ہی مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اتنے دور کے اور اُلجھے ہوئے رشتے تو میرے سر پر سے گزر جاتے ہیں'' ثمین نے اوون آن کرتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

چھٹی کا دن تھا اور ثمین کا اچانک ہی چکن پیٹیز بنانے کا موڈ بن گیا تھا۔ وہ بھی اس کی مدد کرانے کچن میں آ گئی تھی۔ کام کرتے کرتے اس نے ثمین سے اس کی صبح سے گھر آئی ہوئی اس کزن کے بارے میں دریافت کیا تھا، جس سے آج وہ پہلی مرتبہ ملی تھی۔

''سی اے کر رہی ہے نا، رافعہ۔ کبھی پڑھائی میں کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو داؤد بھائی سے ہیلپ لینے آ جاتی ہے۔'' ثمین نے اس کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

صبح گیارہ بجے سے رافعہ ان کے گھر آئی ہوئی تھی اور باقی سب سے خیر خیریت اور تھوڑی سی گفتگو کرنے کے بعد وہ داؤد کے ساتھ ڈرائنگ روم میں ڈھیر ساری کتابیں اور فائلیں پھیلائے بیٹھی تھی اور اب جبکہ تین بج چکے تھے، تب بھی وہ دونوں اسی طرح مصروف نظر آ رہے تھے۔

''بہت بولڈ اور نڈر قسم کی ہے رافعہ! ہم لوگوں کی طرح کی نہیں ہے۔'' ثمین مزید گویا ہوئی۔ یہ بات تو ثمین کے بتائے بغیر بھی اس نے محسوس کر لی تھی۔

''ابھی پچھلے دنوں دو لڑکوں نے اس کی گاڑی گن پوائنٹ پر چھین لی تھی۔ اس نے بجائے نروس ہونے یا رونے دھونے کے بڑے سکون سے گاڑی کی چابی انہیں پکڑا دی اور کہا گاڑی بے شک تم لوگ لے جاؤ، مگر اس میں میری کتابیں اور کچھ اہم ڈاکومنٹس وغیرہ ہیں، وہ مجھے نکال لینے دو۔ میں اس کی جگہ ہوتی تو بے ہوش ہی ہو جاتی۔ وہ دونوں بھی اس کی شخصیت کے رعب میں آ گئے اور اسے ڈاکومنٹس وغیرہ نکال لینے دیئے۔ یہ صاحبہ بڑے سکون سے رکشہ میں بیٹھ کر گھر آ گئیں۔'' ثمین ہنستے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔ پیٹیز اوون میں رکھے جا چکے تھے، اب وہ دونوں مل کر سارا پھیلاوا سمیٹ رہی تھیں۔

''بھابھی کا اور میرا مشترکہ خیال ہے کہ وہ داؤد بھائی کو پسند کرتی ہے۔ خود داؤد بھائی کا اس بارے میں کیا خیال ہے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ بہت بے تکلفی کے باوجود میری ان سے اس طرح کی بات پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی''۔

''پچھلے چار گھنٹوں سے وہ اسے جس خلوص سے پڑھا رہے ہیں، اس کے بعد شک کی کوئی گنجائش رہ تو نہیں جاتی، ورنہ کوئی اور ہوتو چڑ جائے کہ ایک چھٹی کا دن ملا ہے''۔ اس نے ثمین کی بات کا سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بات تو آپ صحیح کہہ رہی ہیں اور یہ بات تو خیر مجھے معلوم ہے ہی کہ داؤد بھائی کو ڈرپوک قسم کی لڑکیاں زہر لگتی ہیں۔ مجھے اکثر ڈانٹتے ہیں۔ انہیں بولڈ اور نڈر لڑکیاں اچھی لگتی ہیں''۔ کچن میں کام ختم ہو چکا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ دونوں لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

مغرب سے کچھ پہلے رافعہ واپس گئی تھی۔ اسے رُخصت کر کے داؤد عاصم بھائی کے ساتھ لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پھوپھو کے ساتھ ان کے کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی، جب بھاگتی دوڑتی ثمین کمرے میں آئی تھی۔

"چلیں دانیا آپی! داؤد بھائی ہم لوگوں کو بڑی زبردست سی آؤٹنگ کرانے لے جا رہے ہیں۔ میں، آپ، میرال اور شارم مہمانوں میں شامل ہیں۔" وہ بہت پُرجوش نظر آ رہی تھی۔

"جلدی اُٹھیں، ایسے موقع روز بروز نہیں آتے"۔

"میرا موڈ نہیں ہو رہا ثمین! تم لوگ چلے جاؤ"۔ اس کی دعوت پر اس نے سنجیدگی سے انکار کیا۔ اس کا انکار سنتے ہی ثمین کا موڈ بگڑنے لگا تھا۔

"اتنا اچھا ہم نے تفریح کا پروگرام بنایا ہے اور آپ نخرے کر رہی ہیں۔ چلیں نا، بہت مزہ آئے گا"۔

وہ اسے ہر قیمت پر ساتھ لے جانا چاہتی تھی، جبکہ اس کا اس وقت کہیں بھی جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"چلی جاؤ دانیا! تھوڑی سی تفریح تو زندگی میں ہونی چاہیے۔ روز تو وہی گھر سے آفس اور آفس سے گھر والا ہی روٹین ہوتا ہے تمہارا"۔

پھوپھو کا یہ محبت بھرا انداز وہ ٹال ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے اُٹھتا دیکھ کر ثمین خوش ہو گئی۔

"آپ ساتھ نہیں جاتیں تو مجھے بالکل مزہ نہیں آتا"۔ وہ اس کی محبت اور خلوص پر مُسکرا دی۔

"ایسی کیا خاص بات ہے مجھ میں۔" وہ اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی۔

"خاص اور عام کا تو مجھے نہیں پتا، لیکن بس آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔ آپ پوز نہیں کرتی۔ سادگی سے رہتی ہیں۔ بننے بنانے اور پوز کرنے والے لوگوں کے ساتھ میری دومنٹ بھی نہیں بنتی۔" وہ دونوں پورچ میں آ گئیں۔ داؤد، میرال اور شارم گاڑی میں ان لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔

"آپ بتائیں، کہاں چلیں۔" ثمین نے اگلی سیٹ سے گردن موڑ کر اسے مخاطب کیا۔

"جہاں سب کا موڈ ہو وہیں۔ میرا اپنا کہیں جانے کا موڈ نہیں"۔ اس نے آہستگی سے اسے جواب دیا۔

"اب میری وجہ سے بغیر موڈ کے آ ہی گئی ہیں تو تھوڑا سا انجوائے بھی کر لیں"۔ ثمین کو اس کی بے نیازی پر غصہ آ گیا۔

"مشکل ہے بہت۔ تم لوگوں کا کسی ایک جگہ پر متفق ہونا۔ میرا خیال ہے میں خود ہی یہ کام کر لوں۔ اب لانگ ڈرائیو ہو گی اور ڈنر ہو گا اور وہ بھی میں اپنی مرضی کی جگہ پر کراؤں گا۔" داؤد نے ان لوگوں کی بحث و تکرار پر چڑ کر کہا۔

کھانے کے بعد بھی ان لوگوں کا فوراً گھر واپسی کا ارادہ نہیں تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر یونہی ڈرائیو کرتے وہ لوگ باتیں کرتے میوزک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میرال اور ثمین میں اپنی اپنی پسند کے گانوں پر جھگڑا ہو رہا تھا۔

"فاخر کا "دیوانہ" لگے گا"

"نہیں ابرار کا پریتو"۔

ثمین بالکل بچی بنی اس کے ساتھ جھگڑ رہی تھی۔ ڈرائیو کرتے کرتے داؤد نے بیک ویو مرر سے دانیا پر ایک نظر ڈالی۔ اس جھگڑے سے

بے نیاز وہ کھڑکی سے باہر پتا نہیں کیا دیکھ رہی تھی۔ کچھ سوچ کر ایک شرارتی سی مُسکراہٹ اس کے چہرے پر آئی تھی۔

''شین! یہ جو اُلٹے ہاتھ پر جھاڑیاں نظر آ رہی ہیں۔ پتا ہے یہاں سے پچھلے ہفتہ ایک لڑکی کی سر کٹی لاش ملی ہے''۔ شین لاش اور وہ بھی سر کٹی ہوئی لاش کا ذکر سن کر سارے جھگڑے بھول بھال بھائی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''بہت ڈھونڈا پولیس نے مگر اس کا سر کہیں بھی نہیں ملا''۔ اس نے بہت چپکے سے ایک نظر پھر پیچھے ڈالی۔ وہ خاموش تو اب بھی بیٹھی تھی، مگر بے نیازی اور لاتعلقی والا انداز ختم ہو گیا تھا۔

''آپ نے اخبار میں پڑھی ہوگی، یہ خبر''۔ شین نے بڑے خوف زدہ سے انداز میں پوچھا۔

''اخبار میں آئی ہوگی شاید یہ خبر، لیکن میں نے اسے اخبار میں نہیں پڑھا۔ میرے ایک کولیگ کی جاننے والی تھی، وہ لڑکی۔ مجھے تو ان کے ذریعے پتا چلا۔ پنڈی سے کراچی آئی ہوئی تھی، جاب کے لیے بے چاری۔ سب کہہ رہے تھے کہ شاید وہ قاتل پنڈی سے ہی پیچھا کرتا ہوا اسے قتل کرنے کراچی آیا تھا''۔

شین اس نادیدہ لڑکی کے قتل پر افسوس کا اظہار کر رہی تھی، جبکہ اس نے داؤد کو بیک ویو مرر میں اپنی طرف دیکھتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اس لیے دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆

وہ میرال کے ساتھ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ دانیا اس کے ساتھ آ کر بیٹھی اور اسے بہت پرفیکٹ طریقے سے کھٹا کھٹ کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ وہ ماؤس کو ہاتھ لگائے بغیر ہر کام کی بورڈ کے ذریعے کر رہی تھی۔

''تم مجھ سے کیا سیکھو گی۔ تمہیں تو خود سب آتا ہے''۔ اس نے ستائشی انداز میں کہا۔

اسی وقت دروازہ کھول کر داؤد اندر داخل ہوا ''کیا کام ہو رہا ہے، اتنی توجہ کے ساتھ؟'' وہ مانیٹر پر نظریں دوڑاتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

''چاچو! میں دانیا پھوپھو سے ''Software Down Loading'' سیکھ رہی ہوں۔ انہیں انٹرنیٹ کے بارے میں اتنی ساری چیزیں آتی ہیں''۔ میرال نے گردن گھما کر معصومانہ سے انداز میں اس کی بات کا جواب دیا۔ وہ اس سے لاتعلق سی مانیٹر کی طرف دیکھتی کی بورڈ کے ساتھ مصروف تھی۔

''کچھ ہمیں بھی سکھا دیجیے، اس مشین کے بارے میں۔ تھوڑا سا فیض ہم بھی حاصل کر لیں۔ کچھ تو فائدہ ہو اتنی ذہین فطین کزن کے ہونے کا''۔ دونوں ہاتھ میز پر رکھے وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے مفت میں ٹیوشنز پڑھانے کا کوئی شوق نہیں ہے''۔ بہت بے ساختہ یہ بات اس کے منہ سے نکلی تھی اور منہ سے نکلی اس بات پر جو محظوظ سی ہنسی اس کے چہرے پر نظر آئی، اس نے اسے اچھا خاصا نروس کر دیا تھا۔

وہ یوں مُسکرایا تھا، گویا کوئی بہت ہی دلچسپ بات سن لی ہو۔ اپنے بے سوچے سمجھے بولے، اس جملے میں اس کو خود ہی طنز اور جیلسی کی بو آئی تھی۔

''مفت نہیں، میں فیس دوں گا۔تم سے یہ اُمید کی بھی نہیں جا سکتی کہ رشتہ داری کا کوئی لحاظ کرو گی''۔وہ جیسے اس کے چہرے پر پھیلتے شرمندگی بھرے تاثرات کو جی بھر کر انجوائے کرنے لگا۔

''میرال یونہی تعریف کر رہی ہے۔ مجھے اتنا کچھ خاص نہیں آتا''۔اسے اپنی جان چھڑانی مشکل ہو رہی تھی۔ثمین کو اسٹڈی میں آتا دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

رات گئے تک وہ اپنے اس فضول سے فقرے پر خود کو لعنت ملامت کرتی رہی تھی۔دِل ہی دِل میں خود سے عہد کرتی رہی تھی کہ آئندہ وہ کم بولا کرے گی اور داؤد کے سامنے تو خاص طور پر۔

ضرورت سے زیادہ ذہین اور اسمارٹ لوگوں سے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔ایسے لوگوں کے سامنے خود کو چھپانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔اسے ایسا لگا کہ اس روز ڈنر کے لیے جب وہ لوگ گئے تھے،تب بھی وہ سارا وقت اس کی فیس ریڈنگ کرتا رہا تھا۔

اگلے روز ابھی اسے آفس سے آئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔تب ہی فون کی بیل بجی تھی۔اس نے فون اٹینڈ کیا تو دوسری طرف رافعہ تھی۔

''میں رافعہ بول رہی ہوں۔داؤد ہیں؟''وہ اسے یہ جواب دینے ہی والی تھی کہ داؤد ابھی آفس سے نہیں آیا کہ وہ اندر آتا دکھائی دے گیا۔

''آپ کا فون ہے''۔اسے ہولڈ کرنے کا کہہ کر اس نے داؤد سے کہا۔بہت بیزار سی شکل ہو رہی تھی،اس کی۔شاید اس وقت وہ کوئی بھی کال اٹینڈ کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔اپنا چائے کا کپ اُٹھائے بغیر ہی وہ لاؤنج سے چلی گئی تھی۔

''کیا پک رہا ہے خواتین''۔بھابھی نے نرگسی کوفتے بنائے ہیں اور میں نے دال چڑھائی ہے۔آپ کے اور اپنے لیے دال چاول پکا رہی ہوں اور اس کے ساتھ اچار''۔اس معاملے میں اس کی اور ثمین کی پسند سو فیصد ایک جیسی تھی۔

''کتنا اچار کھاتی ہو تم''۔بھابھی نے کہا۔

''آپ کو اچار کے فائدے ہی نہیں معلوم''۔اس نے جواباً تاسف سے کہا۔''پتا ہے آپ کو قلو پطرہ کے حسن کا ایک بڑا راز اچار بھی تھا۔ تھوڑے دن پہلے میں ایک کتاب میں پڑھ رہی تھی کہ قلو پطرہ اپنے حسن کی حفاظت کے لیے اچار کا استعمال بڑی پابندی سے کرتی تھی''۔

''پھر تو واقعی خوب صورت لڑکیوں کو اپنے حسن کی حفاظت کے لیے اچار ضرور کھانا چاہیے''۔داؤد نے کچن میں آتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔وہ اس کی بات پر کچھ نہیں بولی تھی۔

''کب آئے تم؟''اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے،بھابھی نے دریافت کیا۔

''کافی دیر ہو گئی۔رافعہ کا فون آیا ہوا تھا۔اس سے بات کر رہا تھا''۔وہ اس کے بالکل سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''اچھا۔رافعہ کا فون آیا تھا؟''بھابھی نے چولہے کی آنچ ہلکی کرتے ہوئے پوچھا۔

''حالانکہ میرا بات کرنے کا بالکل موڈ نہیں تھا۔میں نے اشارے سے ان محترمہ کو منع بھی کیا تھا،مگر انہوں نے پھر بھی اسے ہولڈ کروا دیا''۔دانیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے ناراضی سے کہا۔

''آپ نے منع تو نہیں کیا تھا'' وہ خود پر الزام رکھے جانے پر چپ نہیں رہ سکی۔

''ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔منہ سے چیخ کر تو کہہ نہیں سکتا تھا''۔

''اشاروں کی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی۔'' وہ خود سے کیے عہد کے برخلاف بولنے میں مصروف تھی۔

''پھر کون سی زبان سمجھ میں آتی ہے؟'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بھابی! میں پھوپھو کے پاس جارہی ہوں۔کوئی کام ہو تو آواز دے لیجیے گا''۔ وہ اس کا سوال ان سنا کر کے کرسی پر سے اُٹھ گئی۔

''تم لوگوں کی بحث وتکرار میں اصل بات تو رہ ہی گئی۔فون کس لیے کیا تھا رافعہ نے؟'' بھابی کاموں سے فارغ ہو کر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''فون، ہاں وہ''۔ کہتے کہتے وہ ایک پل کے لیے خاموش ہوا۔

''کیا ہوا تم گئیں نہیں؟'' وہ سامنے سے بھاگ کر کچن میں آتے شارام کو راستہ دینے کے لیے صرف ایک سیکنڈ ہی رُکی تھی، جب پیچھے سے یہ جملہ اس کے کانوں سے ٹکرایا تھا۔شارام کو آگے سے ہٹاتے وہ فوراً باہر چلی گئی۔

بھابی اور ثمین اس کی بات سننے میں مصروف تھیں۔انہوں نے اس کا ایک دم غصے سے باہر نکلنا محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

☆

صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔وہ بہت تیزی اور بھاگ دوڑ بھی مچاتی، تب بھی گاڑی لازماً مس ہو ہی جاتی تھی۔تیار ہو کر باہر نکلی تو پورچ میں اپنی گاڑی کے پاس کھڑا داؤد کسی سے موبائل پر بات کرتا ہوا نظر آیا۔ایک نظر اس پر ڈال کر وہ گیٹ کی طرف بڑھی تو پیچھے سے اس نے اسے آواز دی۔

''تمہاری گاڑی مس ہوگئی ہے نا۔چلو میں تمہیں ڈراپ کردوں''۔

''شکریہ۔میں چلی جاؤں گی''۔اس نے بردباری سے جواب دیا۔

''اچھا۔میں تمہیں ٹھہر کر فون کرتا ہوں''۔اس نے جلدی سے خداحافظ کہہ کر بات ختم کی، پھر قدرے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں بلاوجہ فارمل ہونے کا زیادہ شوق ہے۔جب مجھے وہاں سے گزرنا ہی ہے تو تمہیں بھی چھوڑ دوں گا''۔جملے کے اختتام پر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''جلدی بیٹھو۔مجھے دیر ہورہی ہے''۔وہ اس حکمیہ انداز پر کچھ چڑتی ہوئی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔بہت خاموشی سے ڈرائیو کرتا وہ اس سے مکمل طور پر لاتعلق سا بیٹھا ہوا تھا۔

''بہت سے کام انسان کو رشتہ داری کے لحاظ میں کرنے پڑجاتے ہیں۔اپنی خوشی سے یا ناخوشی سے نہیں، لیکن بعض اوقات رشتہ داری میں انسان کو لحاظ اور مروّت سے کام لینا ہی پڑتا ہے۔'' کافی دیر بعد اس نے داؤد کی سنجیدہ سی آواز سنی۔اس نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اس کی طرف دیکھے بغیر وہ اسی طرح ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

''جیسے اس وقت آپ رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے آفس ڈراپ کرنے جا رہے ہیں؟'' اس کا انداز استفہامیہ تھا۔ وہ اس کی بات پر دھیمے سے ہنسا۔

''ہاں۔ یہ بھی لحاظ اور مروّت کی ہی ایک قسم ہے۔ ویسے اس وقت میں کسی اور بارے میں بات کر رہا تھا''۔

کافی دیر تک وہ اس کے مزید کچھ اور بولنے کا انتظار کرتی رہی، لیکن اس ادھوری بات کو مکمل کرنے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایسے جیسے جو بول گیا، وہی بہت کافی ہے۔ وہ اسے خاموش دیکھ کر خود بھی سڑک پر نظریں دوڑانے لگی تھی۔

گاڑی اس کے آفس کے قریب پہنچ گئی تھی۔ بیگ کندھے پر ڈال کر اس نے جلدی جلدی رسمی قسم کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایک دو فقرے مرتب کیے تھے، لیکن وہ تمام فقرے کہنے کی نوبت نہیں آئی، اسے اُتارتے ہی وہ خدا حافظ کہہ کر فوراً چلا گیا تھا۔

شام میں واپس آئی تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل اور رونق محسوس ہوئی۔

''کون آیا ہے؟'' وہ بھابھی کے پاس کچن میں آ گئی۔ وہ ثمین اور شمیم کو ساتھ لگائے بہت مصروف نظر آ رہی تھیں۔

''بہت خاص مہمان ہیں''۔ بھابھی نے ثمین کی طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا تو بات سمجھتے ہوئے وہ پُرتجسس سے انداز میں بولی۔

''مہمانوں کا خاص ہونا تو مجھے اس غیر معمولی اہتمام سے ہی نظر آ رہا ہے۔ ذرا کچھ اور تفصیلات تو ارشاد فرمایئے''۔

''تفصیل کچھ یوں ہے کہ بابل کا گھر چھوڑ کر گوری پیا گھر جانے والی ہے''۔ وہ بہت شرارتی موڈ میں تھیں۔ پھر اس کے چہرے پر پھیلے تجسس کا خاتمہ کرنے کے لیے وہ اسے سنجیدگی سے ساری بات بتانے لگیں۔

''داؤد کے دوست کی فیملی ہے۔ بہت پرانی دوستی ہے، داؤد کی سفیان کے ساتھ، اتنی پرانی کہ اب ان لوگوں کے ساتھ ہمارے فیملی ٹرمز ہیں۔ اسی کا چھوٹا بھائی ہے۔ فرید۔ انڈس ویلی سے گریجویشن کیا ہے، اس نے۔ تین چار سال پہلے ان کی ممی نے ثمین اور فرید کے رشتے کی بات کی تھی۔ اس وقت ثمین بھی بہت چھوٹی تھی اور فرید بھی پڑھ رہا تھا۔ اس لیے رشتے سے انکار تو نہیں کیا گیا تھا، لیکن ان لوگوں کو چند سال انتظار کرنے کے لیے کہہ دیا گیا تھا۔ اب کیونکہ فرید مزید اسٹڈیز کے لیے امریکہ جا رہا ہے تو میرا خیال ہے کہ آج آمد اسی سلسلے میں ہوئی ہے کہ رشتہ طے کر کے باقاعدہ منگنی وغیرہ کر لی جائے''۔

''ہے کیسا وہ۔ میں نے دیکھا ہوا ہے کیا اسے؟'' اس کا تجسس ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

''ہاں دیکھا ہوا، کیوں نہیں ہوگا۔ داؤد سے کافی دوستی ہے، اس کی۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو وہ آیا تھا۔ کافی دیر بیٹھا رہا تھا، داؤد اور عاصم کے ساتھ لان میں اور پھر ڈنر بھی ہم لوگوں کے ساتھ ہی کر کے گیا تھا''۔ بھابھی نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی تو وہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے یاد آ جانے پر مسکرائی۔

''ہاں یاد آ گیا۔ وہ جس کے آنے پر اس دن اچانک ہی ثمین کو کھانے کے وقت بھوک نہیں لگ رہی تھی'' اور بعد میں جب بھوک لگے گی''

کہہ کر یہ محترمہ اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھیں''۔ اس نے ثمین کو گھورا۔

''کتنی گھنی لڑکی ہے یہ۔ مجھے کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی کسی بات کی اور میں اتنی بے وقوف کہ ساری بات سمجھ میں ہی نہیں آئی۔ پتا ہی نہیں چلا کہ اچانک بھوک پیاس کیوں اُڑ گئی ہے۔'' وہ ثمین کے سر پر کھڑی غصے سے بولی۔

''اس دن مجھے بتا دیا ہوتا تو میں بندے کو ڈھنگ سے دیکھ تو لیتی۔ اشارتاً ہی بتا دیتیں کہ یہی ہیں پرنس چارمنگ۔'' ثمین لاپرواسی بنی ٹرالی سیٹ کرنے میں مصروف تھی، لیکن اس کے چہرے پر بکھری شرمیلی سی مُسکراہٹ اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔

''بھابھی! آج پہلی مرتبہ مجھے پتا چلا ہے کہ افسانوں کی ہیروئنوں اور گرگٹ کے علاوہ بھی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رنگ بدلتے ہیں۔ سچی بات ہے''۔ آج پہلی بار میں نے کسی لڑکی کا سرخ ہوتا چہرہ دیکھا ہے۔

بھابھی اس کے کمنٹس پر کھلکھلا کر ہنس دیں، جبکہ ثمین اسے شرارتی موڈ میں دیکھ کر سب کام وام چھوڑ کر کچن سے ہی چلی گئی تھی۔ مہمانوں کو رخصت کر کے جب گھر کے سب افراد لاؤنج میں بیٹھے تو وہ بھی وہیں آ گئی۔

''کیا طے ہوا پھوپھو؟'' وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''نکاح کی تاریخ طے کر کے گئے ہیں وہ لوگ، اگلے ہفتے کی۔ مجھے تو سوچ سوچ کر ہول اُٹھ رہے ہیں۔ اتنے کم دنوں میں ساری تیاری کیسے ہوگی''۔ اسے جواب دینے کے ساتھ انہوں نے اپنی فکرمندی کا بھی اظہار کیا۔

''ہو جائے گا سب۔ کون سی رخصتی ہو رہی ہے۔ صرف نکاح ہی تو ہے۔ خوامخواہ ٹینشن مت لو''۔ انکل نے انہیں سمجھایا تو وہ جواباً ناراضی سے بولیں۔

''تب بھی سو کام ہوتے ہیں۔ ماشاء اللہ اتنا بڑا خاندان ہے۔ صرف لوگوں کو انوائٹ کرنا ہی بہت بڑا اور تھکا دینے والا کام ہوگا۔ پھر بازاروں کے چکر الگ لگیں گے''۔ وہ اُلجھ رہی تھیں۔ اس وقت تو وہ خاموش رہی تھی، لیکن رات میں جب پھوپھو ہی کے کمرے میں اور بھابھی ان کے ساتھ اسی حوالے سے گفتگو کر رہی تھیں، تب اس نے اپنے آفس سے چھٹی لے لینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

''میں تین چار دن کی چھٹی لے لیتی ہوں''۔

''تمہیں مسئلہ تو نہیں ہوگا؟'' پھوپھو کے استفسار پر وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''مسئلہ کیسا۔ ویسے بھی اتنے سارے دنوں کی جاب میں، میں نے ابھی تک ایک بھی چھٹی نہیں کی''۔

اور پھر واقعی اس نے چھٹی لے لی تھی۔ ثمین اسے جتنی پیاری ہوگئی تھی تو ایسے میں اس کی زندگی کی یہ خوشی اسے اپنی ہی خوشی لگ رہی تھی۔

اس صبح اسے گھر کے حلیہ میں بیٹھا دیکھ کر داؤد نے تعجب سے پوچھا۔

''تمہیں آفس نہیں جانا کیا؟'' تو اس کے جواب سے پہلے ہی پھوپھو اسے اس کی آفس سے چھٹی لے لینے کے بارے میں بتانے لگیں۔ ان کے لہجے میں اس کے لیے محبت تھی۔ فخر تھا۔

''دیکھو کتنی اچھی ہے میری بھتیجی۔'' ان کی آنکھوں میں لکھی یہ تحریر اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''تم اس طرح آکر ہم لوگوں کے ساتھ گھل مل گئی ہو دانیا کہ غیریت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ کبھی تمہارے سامنے بات کرتے ہوئے یہ نہیں سوچنا پڑتا کہ یہ غیر ہے، اس کے سامنے یہ بات نہیں کرنی۔ تھوڑا سا تکلف قائم رکھنا ہے''۔

اس روز جب وہ بھابھی کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تو انہوں نے اس سے کہا اور جس پیار سے وہ میرال کے سرخ غرارے کے ساتھ میچ کرتی سرخ چوڑیاں پسند کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ یہ بات ان کے منہ سے نکلی۔

''میں نے کبھی خود کو غیر سمجھا بھی نہیں بھابھی۔ یہ میری پھوپھو کا گھر ہے''۔ وہ اس کے جواب پر مُسکرا دیں۔

''تم امی کی بھتیجی کے بجائے بیٹی لگتی ہو۔ ثمین سے زیادہ تمہاری عادتیں ان کے جیسی ہیں۔ داؤد کا تمہارے بارے میں یہی خیال ہے۔'' ان کی اس بات پر اس کا دِل بڑی بے ترتیبی سے دھڑکا تھا۔

''کیا خیال ہے ان کا؟'' بظاہر اس نے لاپرواسے انداز میں پوچھا۔ ایسے جیسے یونہی پوچھ رہی ہو۔

''وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ یہ خاتون کچھ کچھ ہماری امی جیسی نہیں ہیں''۔ وہ جواب دیتے ہوئے مُسکرائیں۔

''اس دن جب ہم لوگوں کی شادی کی سالگرہ تھی۔ اس کے بعد دیئے تھے، اس نے یہ کمنٹس۔ بھئی! سچی بات ہے مجھے تو پتا نہیں چلا تھا کہ تم جھوٹ بول رہی ہو اور ثمین نے تمہیں جان بوجھ کر نہیں بتایا، لیکن داؤد کو معلوم نہیں کس طرح تمہارے جھوٹ کا اندازہ ہو گیا تھا۔ امی کی بھی تو یہی عادت ہے، لڑائی جھگڑے سے انہیں ٹینشن ہوتی ہے، دوسروں کو بہت آسانی سے معاف کر دیں گی۔ ان کی غلطیوں کو چھپا لیں گی، تاکہ جھگڑوں اور بدمزگی سے بچا جا سکے اور تم نے بھی تو اس روز اسی لیے جھوٹ بولا تھا''۔

اپنے لیے یہ تعریفی جملے اسے درحقیقت خوشی کا بہت انوکھا احساس بخش گئے تھے۔ کوئی ہے جو اسے بہت اچھا سمجھتا ہے۔ ساری زندگی اس کے گھر والے اس کی جن عادتوں سے بیزار رہے، یہاں کسی کے لیے وہ سب عادتیں قابلِ ستائش ہیں۔

☆

اس کی امی سے فون پر بات ہوئی تو اس کے پوچھنے سے پہلے ہی انہوں نے ثمین کے نکاح پر اپنے کراچی آنے کا بتایا۔ پھوپھو نے انہیں فون پر بلا وا دیا تو تھا، لیکن اسے یقین نہیں تھا ان کے آنے کا، جبکہ خود اس کا بہت دِل چاہ رہا تھا کہ وہ کراچی آئیں۔ کتنے دِن ہو گئے تھے ان سے ملے ہوئے۔ اس کا امی کے ساتھ ویسا تعلق نہیں تھا، جیسا ماں بیٹی کا ہوا کرتا ہے۔ کبھی انہوں نے ساتھ بیٹھ کر ایک دوسرے سے اپنے دُکھ سکھ نہیں کہے تھے، لیکن پھر بھی وہ اس کی ماں تو تھیں۔ ان کی بہت سی باتوں سے اختلاف کے باوجود اسے ان سے بہت پیار تھا اور اب تو ابو کی وفات کے بعد سے وہ بہت تبدیل بھی ہو گئی تھیں۔

وہ امی کی آمد کی شدت سے منتظر تھی۔ نکاح سے ایک روز پہلے ہی وہ آ گئیں تو اسے بہت خوشی ہوئی۔ سب ان سے بہت اچھی طرح ملے تھے، بغیر کسی پرانی بات کا حوالہ دیئے۔ اسے یاد تھا کہ عاصم بھائی کی شادی پر کس طرح ابو کھڑے کھڑے بالکل مہمانوں کی طرح شریک ہو کر فوراً ہی

پنڈی واپس آ گئے تھے۔ تب دولت ان کے گھر کی باندی تھی۔ آج اس کے برعکس تھا۔ دولت کا توازن اُلٹ چکا تھا، لیکن آج جن لوگوں کے پیچھے وہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی، وہ آج بھی ویسے ہی تھے جیسے اس دولت کے بغیر ہوا کرتے تھے۔

اب جب وہ ملیں تو اس نے پھوپھو کی فیملی کی تعریفوں میں زمین آسمان ایک کر دیئے تھے۔

''اتنا آئیڈیل گھر ہے یہ امی! یہاں سب ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں''۔ وہ اس کی تعریفوں کے جواب میں خاموشی سے مُسکرا دیں۔

انہوں نے اس سے اس بارے میں کچھ کہا تو نہیں تھا لیکن پھر بھی اسے اندازہ تھا کہ اس کی طرح امی کو بھی یہاں آ کر پہلا قدم رکھتے ہی پچھتاوے کا احساس ہوا ہو گا۔ انہوں نے عاصم بھائی کے ساتھ جلال بھائی کا موازنہ بھی ضرور کیا ہو گا اور اپنے غرور اور غلط فیصلوں پر انہیں ندامت بھی ہوئی ہو گی۔

پھوپھو نے اسے فنکشن کے لیے کپڑے بنا کر دیئے تھے۔ خود ساتھ لے جا کر اسے اس کی پسند کا ڈریس دلوایا تھا۔ یہ اور بات کہ اس پسند میں صرف اس کا نام شامل تھا، ورنہ ڈریس پسند انہوں نے ہی کیا تھا۔ اس کے پسند کے سادہ سادہ سے لباس انہیں اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ ان کا پسند کیا ہوا آف وائٹ لباس اسے بہت بھاری لگ رہا تھا، لیکن انہوں نے اسے ڈانٹ کر چپ کروا دیا تھا۔

''میرا نکاح تھوڑی ہے پھوپھو''۔ انہیں پے منت کرتا دیکھ کر وہ منمنائی تو انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''ایسے کپڑے تو لڑکیاں شادی بیاہ میں بڑے شوق سے پہنتی ہیں۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے جو اتنا ہلکا سا کام تمہیں اوور لگ رہا ہے، دیکھنا کتنا سجے گا یہ رنگ تم پر''۔

اور اب جب وہ پھوپھو کا دلوایا یہ لباس پہن کر تیار ہوئی تو سب نے ہی اس کی تعریف کی۔ عام دنوں میں وہ جتنے سادہ سے انداز میں رہا کرتی تھی، اس کے بعد یہ چینج سب کو ہی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ فنکشن کا ارینجمنٹ لان میں کیا گیا تھا۔ امی مہمانوں کی طرح بیٹھی بیٹی کو میزبانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

وہ ثمین کے پاس اسٹیج پر جا رہی تھی، تب درمیان ہی میں بھابھی نے اسے آواز دے کر روک لیا۔ وہ اپنے ساتھ کھڑی ایک خاتون کا اس سے تعارف کروا رہی تھیں۔

''یہ میری کزن ہیں۔ جرمنی میں رہتی ہیں۔ آج کل پاکستان آئی ہوئی ہیں اور تہمینہ باجی! یہ دانیا ہے، عاصم کی ماموں زاد بہن''۔ اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے بڑی خوش اخلاقی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

سلام دُعا کے بعد اس کی چند منٹوں تک ان سے رسمی سی بات ہوئی، پھر وہ معذرت کرتی ثمین کے پاس اسٹیج پر آ گئی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں کھنچوا کر اور مووی بنوا کر وہ اسٹیج سے اُتری تو رافعہ داؤد کے ساتھ باتیں کرتی نظر آئی۔

صرف رافعہ ہی کیا، وہاں اس کی کئی کزنز کا داؤد پر فدا ہونے والا انداز تھا۔ چند ایک کو چھوڑ کر اکثریت کا یہی رویہ تھا۔ چارٹرڈ اکاونٹنٹ

کزن جوایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بڑے شاندار سے عہدے پر کام کر رہا ہے۔ بہت زبردست قسم کی سیلری وصول کر رہا ہے اور سب سے بڑھ کر ابھی تک غیر شادی شدہ ہے۔ سب کی توجہ کا مرکز تھا۔ لڑکیوں کا اس کے ساتھ پوز کر کر کے باتیں کرنا اور بہانے بہانے سے اپنی طرف متوجہ کروانے والا اسٹائل اسے بہت بُرا لگ رہا تھا۔

فنکشن ختم ہونے پر جب سب مہمان چلے گئے تو وہ فوراً ہی اس لباس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اوپر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اور داؤد اتر رہا تھا۔ اسے بہت تیزی میں دیکھ کر وہ چڑھنے کے لیے راستہ دیتا خود ایک طرف ہو گیا تھا۔ وہ اس کے قریب سے گزری تو ایک سرگوشی نما آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''یہ رنگ اکثر پہنا کرو''۔ اسے ایسا لگا، اس کا دل اب سے پہلے کبھی اس رفتار سے نہیں دھڑکا تھا۔ بغیر رُکے وہ اوپر تو چڑھ گئی تھی۔ اس کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں تھا، لیکن خود ابھی تک جیسے عالمِ حیرت میں تھی۔

فنکشن کے دوران ایک بار بھی اس نے اس کی خود پر نظریں محسوس نہیں کی تھیں۔ ایک بار بھی ایسا نہیں لگا تھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے اور اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس بات پر اسے دُکھ بھی ہو رہا تھا کہ آج سب نے اسے سراہا ہے، لیکن جہاں سے سراہے جانے کی اسے خواہش تھی، وہاں سے ایک نگاہ تک اسے نہیں ملی۔

کمرے میں آ کر اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو ہموار کرتی، وہ کتنی دیر تک اس لمحہ کی گرفت میں رہی۔ کتنا وقت گزر گیا تھا اسے یونہی بیٹھے، اس بات کا اسے خود احساس نہیں تھا۔

''تم نے ابھی تک کپڑے نہیں بدلے''۔ امی کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر شرمندہ سی ہوتی کھڑی ہو گئی۔

''جی بس اُٹھ ہی رہی تھی، کپڑے بدلنے کے لیے''۔ وہ اس کا جواب بے توجہی سے سنتی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہو کر جیولری اُتارنے لگی۔

''کیا بات ہے امی! بہت خوش نظر آ رہی ہیں آپ؟'' شیشے میں اسے ان کا مطمئن اور خوش باش چہرہ نظر آیا تو جھٹ سے پوچھا۔

''خوشی کی بات جو ہے۔ میں نے تمہاری پھوپھو سے تمہارے اور داؤد کے رشتے کے بارے میں بات کی ہے اور انہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ کہہ رہی ہیں کہ تم انہیں بہت پسند ہو۔ بس وہ داؤد اور وقاص بھائی سے اس بارے میں بات کر لیں، پھر مجھے فائنل جواب دیں گی اور فائنل جواب ظاہری بات ہے، ہاں ہی ہوگا۔ سب تمہیں پسند کرتے ہیں، یہاں پر''۔ کانچ کی چوڑی بہت زور سے اس کی کلائی میں چبھی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' وہ اس ٹوٹی چوڑی اور خون نکلنے کی تکلیف پر توجہ دیے بغیر مُڑ کر ان کے پاس آ گئی تھی۔

''کیا بات کی ہے آپ نے پھوپھو سے؟'' شاید اس نے کچھ غلط سنا تھا۔ امی شاید کچھ اور بات کہہ رہی تھی، وہ شاید بات سمجھی نہیں تھی۔

''کیا ہو گیا تمہیں۔ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو۔ میں نے تمہارے رشتے کی ہی تو بات کی ہے۔ اس میں غلط کیا ہے۔'' وہ ناراضی اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

''پہلے تو میرا ارادہ نہیں تھا، یہ بات کرنے کا، لیکن یہاں جس طرح میں نے لڑکیوں اور ان کی ماؤں کو داؤد اور آپا کے آگے پیچھے دیکھا تو مجھے اپنا کہہ دینا مناسب لگا۔ کہیں ہم شرما شرمی میں رہ جائیں اور کوئی اور رشتہ دار ہاتھ مار جائے۔ تمہاری پھوپھو تو ہیں ہی سدا کی بے وقوف، جو اچھی طرح مل لے اسی کی گرویدہ۔ اب کم از کم میں نے بات تو ان کے کان میں ڈال دی۔ تمہیں تو ویسے بھی یہاں سب اتنا پسند کرتے ہیں۔ داؤد بھی مجھے ایسا نہیں لگتا کہ تمہیں ناپسند کرتا ہے۔ یہ دونوں بھائی اپنے خاندان کے ساتھ بہت مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں اور اسی لڑکی کو پسند کریں گے جو ان کی فیملی کو اپنا سمجھ کر اور یہاں کی ہر چیز کو اپنا کر رہے گی اور تم نے تو اتنے عرصے میں خود کو ایسا ہی ثابت کیا ہے۔ ایسی کوئی اور لڑکی انہیں کہیں اور ملے گی بھی کہاں۔ جس میں بیک وقت اتنی ساری خوبیاں ہوں۔ شکل وصورت میں تم لاکھوں میں ایک ہو۔ عادتوں اور مزاج سے وہ تمہارے واقف ہیں اور اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو۔ کمی کس چیز کی ہے، تم میں؟ اب کیا میں بیٹھ کر اس بات کا انتظار کرتی کہ رشتہ وہ دیں۔ آج کل کا دور اسی طرح کا ہے۔ بیٹیوں کے اچھی جگہ رشتے طے کرنے کے لیے ماؤں کو بہت ہاتھ پاؤں مارنے پڑتے ہیں۔ تب کہیں جا کر قسمت کا بند دروازہ کھلتا ہے''۔

وہ گم صم سکتے کی کیفیت میں ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اس کی گم صم سی کیفیت سے لاتعلق اپنے صحیح موقع پر صحیح بات کر لینے پر نازاں نظر آ رہی تھیں۔

''ابھی ان کے کمرے میں بیٹھی میں ان سے یہی سب باتیں تو کر رہی تھی۔ کل رات میں نے عاصم سے عادل کی جاب کے بارے میں بھی بات کی ہے۔ آخری سمسٹر ہے اس کا۔ اچھی سے اچھی پوزیشن کے ساتھ بھی ایم بی اے کر لے، تب بھی نوکریاں اتنی آسانی سے کہاں ملتی ہیں۔ کوئی کیریئر والی جاب ہو، جس میں ترقی اور کامیابی کے امکانات ہوں۔ عاصم اور داؤد کے بہت کونیکس ہیں۔ مجھے اس نے انکار بھی نہیں کیا۔ کہہ رہا تھا کہ پوری کوشش کرے گا، عادل کی جاب کے لیے۔

پھر میں سوچ رہی ہوں کہ اگر عادل کی جاب کراچی میں ہو گی تو میں بھی گھر بیچ کر یہیں شفٹ ہو جاؤں۔ تمہاری شادی بھی یہیں ہو گی''۔ وہ اتنی خوش تھیں کہ اس خوشی میں انہیں اس کا اُجڑا ہوا دھواں دھواں چہرہ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

''آپ بالکل نہیں بدلیں امی! آپ بالکل بھی نہیں بدلیں۔ آپ آج بھی وہی ہیں، بالکل ویسی ہی۔ ہر کام Calculate کر کے کرنے والی۔ نفع نقصان کا حساب کتاب کر کے''۔

وہ خاموش کھڑی ویران نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ سامنے بیٹھی عورت اس کی ماں تھی۔ وہ ان سے لڑ نہیں سکتی تھی۔ انہیں کوئی تلخ بات نہیں کہہ سکتی تھی۔ ان سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی۔

''آپ نے کیا مجھے یہاں بھیجا ہی اس لیے تھا۔ آپ کو پتا تھا آپ کی بیٹی ان لوگوں کے دلوں سے تمام بدگمانیاں دور کر دے گی۔ آپ کی بچھائی بساط پر میں ایک مُہرہ تھی۔ آپ نے سب چالیں سوچ سمجھ کر چلیں۔ سب فائدہ نقصان ذہن میں رکھ کر''۔ اس کا پورا وجود سراپا احتجاج بنا ہوا تھا۔ وہ شکوہ بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

امی اس کی خاموشی پر دھیان دیئے بغیر واش روم میں چلی گئی تھیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کل وہ اس گھر کے مکینوں کا سامنا کس طرح کرے گی اور وہ شخص جو اس کی خوبیوں کا معترف ہے۔ اسے اپنی ماں کی جیسی عادتیں رکھنے والی شخصیت قرار دیتا ہے۔ کل وہ اسے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لے گا۔ یہ سب ان ماں بیٹی کی چالاک ذہنیت تھی۔ سب کچھ ان کے پلان کا حصہ تھا۔

اسے اپنا کیا ایک ایک کام یاد آ رہا تھا۔ وہ سب جو اس نے خلوص اور محبت میں کیا تھا، لیکن جسے اب مکاری اور اپنی اداؤں کے جال میں پھنسانا قرار دیا جائے گا۔ وہ اب کیونکر کسی کو یقین دلا پائے گی کہ میں کوئی ڈرامہ نہیں کر رہی تھی۔ میں یہ ضرور چاہتی تھی کہ آپ سب لوگ مجھے اپنا سمجھیں، اچھا سمجھیں، لیکن یہ میری ایک سادہ اور معصوم سی خواہش تھی۔ اس کے پیچھے کوئی مقاصد نہیں تھے۔ اس نے نادانستگی میں، وہ سب کیا جو امی چاہتی تھی۔ تب تو داؤد نے ایسا کچھ نہیں سوچا ہوگا، لیکن اب جب پھوپھو اسے سب کچھ بتائیں گی تو ضرور سوچے گا اور اب جب وہ اس بارے میں سوچے گا تو وہ اس کے سامنے کس طرح کی لڑکی ثابت ہوگی۔ اپنی بھولی بھالی اور معصوم شکل کو وہ کس کس طرح استعمال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اپنے اس حسین چہرے سے گھن آئی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس خوب صورت چہرے پر تیزاب پھینک دے۔ تاکہ یہ اس قابل نہ رہے کہ اس کی خوب صورتی کو کیش کروایا جا سکے۔

اسے یاد آیا، ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ داؤد کی کزنز کو اس کے آگے پیچھے پھرتا دیکھ کر بڑے تمسخرانہ انداز میں ہنسی تھی اور انہیں حقارت اور تمسخر سے دیکھتے وقت وہ اپنی طرف دیکھنا بھول گئی تھی۔ اس کی وہ سب کزنز دانیا ظفر سے بہت بہتر تھیں، اس سے لاکھ گنا بہتر۔ وہ صرف اسے پسند ہی تو کر رہی تھیں۔ ان کی خواہش یہی تو تھی کہ یہ خوبرو بندہ ہمیں مل جائے، لیکن اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے انہوں نے کوئی گیم نہیں کھیلا تھا۔ کوئی پلاننگ نہیں کی تھی۔ خود کو بہت اچھا بنا کر اس کے سامنے پیش نہیں کیا تھا۔ ان میں سے کسی کی ماں نے دکان داری نہیں کی تھی، جبکہ اس کی ماں نے دکان داری ہی تو کی تھی۔ بیٹی کی خوبیاں گاہک کے سامنے رکھ کر۔ اس کی چمک دمک دکھلا کر۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں خود کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

☆

امی نے غصے کے اظہار کے طور پر صبح اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ خود بھی بالکل خاموش تھی۔ داؤد انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔ وہ بہت مشکلوں سے خود کو گھسیٹ کر کمرے سے باہر لائی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایک دم بالکل بے وقعت اور حقیر ہوگئی ہے۔ اس میں پھوپھو کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ داؤد کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا، لیکن پھر بھی وہ ان سب کا سامنا کر رہی تھی۔ داؤد نے ایک بار بھی براہِ راست اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس سے نظریں ملائے بغیر امی کو پورچ میں ہی خدا حافظ کہہ کر وہ پھوپھو کے ساتھ واپس اندر آگئی تھی اور پھر ان سے تھکن کا بہانہ بنا کر دوبارہ کمرے میں چلی گئی۔

اس کا کمرے سے باہر نکلنے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں غائب ہو جائے۔ دوبارہ ان سے کبھی بھی نہ ملے، لیکن جو وہ

سوچ رہی تھی، ایسا ہونا ناممکن تھا۔ کہیں چلے جانا اور غائب ہو جانا اس کے بس سے باہر کی باتیں تھیں۔ ثمین اسے لنچ کے لیے بلانے آئی تھی۔

''مجھے بھوک نہیں لگ رہی ثمین''۔ اس سے نظریں چراتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔

''بھوک کیسے نہیں لگ رہی۔ خوشی میں میری بھوک ختم ہو جائے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ آپ کی بھوک کو کیا ہوا ہے''۔ اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیا۔

''صرف سویٹ ڈش کھا لیجیے گا۔ چلیں تو سہی۔ سب انتظار کر رہے ہیں کھانے پر''۔ وہ اسے کمرے سے گھسیٹ لائی۔

وہ ثمین کے ساتھ آ کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے سب ہی آپس میں کل کے فنکشن کے حوالے سے کچھ نہ کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ وہ سر جھکائے اپنی پلیٹ میں چمچ چلا رہی تھی۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے دانیا؟'' پتا نہیں اس کے چہرے پر ایسی کیا چیز نظر آئی تھی جس نے پھوپھو کو یہ سوال کرنے پر مجبور کیا تھا۔

''جی پھوپھو''۔ اس نے مختصر جواب دیا۔

''ہاں کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی ہے دانیا۔ میرا خیال ہے کل کی تھکن کا اثر ہے''۔ انکل نے پھوپھو سے کہا تو ثمین ایک نظر اس پر ڈال کر ان سے بڑے شوخ اور شگفتہ سے انداز میں بولی۔

''تھکن نہیں ہے پاپا! اصل میں کل یہ خوب صورت بہت لگ رہی تھیں۔ ضرور کسی کی نظر لگی ہے انہیں''۔ انکل ثمین کے کمنٹس پر مُسکرائے تھے۔ وہ خود کو موضوعِ گفتگو بنتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے چاہا کہ وہ خود پر خوش گفتاری اور خوش اخلاقی کا ملمع چڑھا کر روزانہ کی طرح سب سے باتیں کرے۔

کھانے کے بعد پھوپھو نے اس کے کمرے میں آ کر دوبارہ اس کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ شاید یہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ اپنی بیماری چھپا رہی ہے۔ ان کی تشویش اور محبت اس کی آنکھوں میں آنسو لے آئے تھے۔

''پھوپھو! میں آپ کی بیٹی کیوں نہیں؟ کاش میں آپ کی بیٹی ہوتی۔ یا پھر میری امی آپ کے جیسی اچھی ہوتیں۔ میں خود اپنی نظروں سے گر گئی ہوں پھوپھو! خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی''۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ان کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں پھوپھو''۔ چہرے پر بڑی مشکلوں سے تھوڑی سی مُسکراہٹ لاتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔

☆

شام میں وہ بھابی اور ثمین کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ داؤد نے باہر آ کر بھابی کو ان کا فون آنے کی اطلاع دی اور پھر فوراً ہی واپس مڑ گیا۔ اس کے انداز میں بہت عجلت تھی۔ بھابی فون سننے چلی گئی تھیں۔ ثمین اس کے ساتھ کل کا فنکشن ڈسکس کرنے میں مصروف تھی۔ اسے ثمین کی باتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بہت بے دلی سے وہ اس کی باتیں سن رہی تھی۔ بھابی کافی دیر بعد واپس آئیں۔

''ثمین کا خیال صحیح تھا۔ تمہیں واقعی نظر لگی ہے اور یہ نظر کس کی تھی، یہ ابھی ابھی مجھے پتا چلا ہے''۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اسے

مخاطب کیا، بہت شرارتی سے انداز میں۔

''آپ کا انداز بڑا مشکوک سا ہے بھابھی! صاف صاف بتائیں کس کا فون تھا؟'' ثمین نے بے تابی اور بے صبری سے پوچھا تو وہ اس کی بے تابی پر مُسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

''تمہینہ باجی کا تھا۔ انہیں عثمان کے لیے ہماری دانیا دِل و جان سے پسند آ گئی ہے۔ ماتھا تو خیر میرا کل ہی ٹھنکا تھا، جب انہوں نے بڑی دلچسپی سے دانیا کے بارے میں مجھ سے پوچھا تھا۔ پھر خود ہی مجھ سے اصرار کر کے اس سے تعارف حاصل کرنا چاہا تھا''۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے نا دانیا! کل میں نے تمہیں ایک خاتون سے اپنی کزن بتا کر تعارف کروایا تھا۔ گرین ساڑھی پہنی ہوئی تھی انہوں نے۔'' انہوں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی اور اسے کیونکہ پہلے ہی یاد آ چکا تھا، اسی لیے فوراً سر ہلایا۔

''دانیا آپی کو بعد میں یاد دلاتی رہیے گا۔ پہلے مجھے ساری بات بتا دیں۔ کیا کہہ رہی تھیں وہ۔ تفصیل سے بتائیں''۔

ثمین کا جوش و خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ثمین اور بھابھی کی خوشی اور گرم جوشی دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ انہیں ابھی تک پھوپھو نے کچھ نہیں بتایا۔

''اب کی بار وہ پاکستان آئی ہی اس ارادے سے تھیں۔ بڑی فکر ہے انہیں بھائی کی شادی کی۔ عثمان نے بھی تو لڑکی پسند کرنے کا اختیار کلی طور پر بہن کو دے رکھا ہے''۔

بھابھی ثمین سے کہہ رہی تھی، اس کی خاموشی محسوس کی تو ثمین سے گفتگو موقوف کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''برلن میں رہتی ہیں تمہینہ باجی۔ ان کے شوہر کی وہیں جاب ہے۔ بس دو ہی بہن بھائی ہیں، تمہینہ باجی اور عثمان۔ والدین کا ان کے کئی سال ہوئے انتقال ہو چکا ہے۔ اب کراچی میں عثمان اکیلا ہی رہتا ہے۔ بہت اچھا سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ مہذب اور تعلیم یافتہ''۔ اس کی خاموشی کا انہوں نے یہی مطلب لیا کہ شاید وہ ہچکچا رہی ہے، اس لیے از خود ہی اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کرنے لگیں۔

''آپ نے انہیں کیا جواب دیا؟'' اس سے پہلے کہ وہ دانیا کو مزید ہسٹری سنانا شروع کرتیں، ثمین نے پوچھا۔

''ایسے میں کیا جواب دیتی۔ میں نے ان سے یہی کہا کہ میں امی سے بات کر لوں۔ امی، ممانی اور دانیا سے پوچھ لیں۔ اگر سب کو یہ رشتہ پسند آتا ہے تو پھر آپ باقاعدہ پرپوزل لائیے گا''۔

''کل فنکشن میں آیا تھا نا عثمان بھائی!'' ثمین نے بھابھی سے پوچھا۔

''ہاں آیا ہوا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم کہ یہ نظر بہن صاحبہ کی تھی یا بھائی کی، جو ہماری سوئیٹ سی دانیا کو اتنی بُری طرح لگی ہے۔ دیکھو کیسی چپ چپ اور اُداس سی لگ رہی ہے۔'' بھابھی کا جواب حسبِ توقع شوخ سا تھا۔

''اب آپ یقیناً یہ جاننا چاہ رہی ہوں گی کہ موصوف دیکھنے میں کیسے ہیں؟'' ثمین نے اس کی طرف جھک کر رازداری سے دریافت کیا۔

''بے چاری مشرقی لڑکی شرما رہی ہے۔ چلیں میں خود ہی بتا دیتی ہوں، بلکہ میرا خیال ہے بھابھی بتا دیں۔ آخر ان کے کزن صاحب ہیں۔ انہیں ان کی ہائٹ ناک نقشہ سب از بر ہوگا''۔

ثمین اس وقت مکمل طور پر شرارتی موڈ میں تھی۔ بہت خوش گوار سے انداز میں اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی، وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔

رات کا کھانا بغیر بھوک کے سب کے ساتھ بیٹھ کر کھایا تھا، اس نے۔ کھانے کے فوراً بعد وہ کمرے میں آ گئی تھی۔

بھابھی کی کزن شاید بہت ہی جلدی میں تھیں۔ اگلے روز صبح صبح ہی ان کا دوبارہ فون آ گیا تھا۔ اس بار پھوپھو نے ان سے بات کی تھی۔ اس وقت لاؤنج میں صرف وہ اور پھوپھو ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی گفتگو کے دوران وہ وہیں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ پھوپھو نے انہیں ہاں کہی تھی نہ ناں، بلکہ اپنی بھاوج سے پوچھ کر جواب دینے کی بات کہی تھی۔ وہ فون بند کر چکیں تو وہ اُٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

''آپ کو یہ رشتہ کیسا لگ رہا ہے پھوپھو؟'' انہوں نے اس سوال پر تعجب سے اسے دیکھا۔

''میرا مطلب ہے بھابھی تو بہت تعریف کر رہی تھیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟'' اس کا انداز بے جھجک سا تھا۔ انہیں ایک پل کے لیے تو اس کا خود اپنے رشتے کے بارے میں اس طرح بات کرنا پسند نہیں آیا، پھر فوراً ہی اپنی سوچ کو فرسودہ اور پرانے زمانے کی قرار دے کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''عثمان بہت اچھا لڑکا ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ جاب بھی اس کی بہت اچھی ہے۔ عادت کا بھی اچھا ہی لگتا ہے۔ ویسے عادتوں کا صحیح سے پتا تو اسی وقت چلتا ہے جب کسی سے رشتہ جوڑا جاتا ہے، لیکن بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں''۔ انہوں نے اسے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تمہاری کیا مرضی ہے؟ تمہیں کیسا لگا یہ رشتہ؟'' انہوں نے اس کی دلچسپی اس رشتے میں محسوس کر لی تھی۔ اسی لیے اسے کریدا۔

''پھوپھو شادی کبھی نہ کبھی تو کرنی ہی ہوتی ہے۔ مجھے یہ رشتہ اچھا لگ رہا ہے۔ لمبی چوڑی سسرال میں میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔ مجھے تو نند، دیور اور جیٹھ، جٹھانی وغیرہ کے نام سن کر ہی کوفت ہونے لگتی ہے۔ ساری زندگی رشتے نبھاتے رہو اور یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اگر آپ کہہ رہی ہیں کہ باقی سب کچھ ٹھیک ہے تو پھر میرا ووٹ اسی رشتے کی طرف ہے''۔

وہ حیرت سے اس کی بات سن رہی تھیں۔ انہیں شاید یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ رشتوں سے بیزاری کا یہ اظہار وانیا کر رہی ہے۔ جو یہاں سب کے ساتھ اتنی محبت سے رہتی رہی تھی۔

''آپ لوگوں کی بات دوسری ہے۔ آپ لوگ کوئی میرے سسرال والے تھوڑی ہیں۔ آپ لوگوں سے محبت اس وجہ سے ہے کہ آپ میری پھوپھو ہیں اور باقی سب آپ کے حوالے سے عزیز ہیں، لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں پھوپھو! مجھے سسرالی جھمیلوں سے اُلجھن ہوتی ہے، وہاں پنڈی میں بجو کی اتنی لمبی سسرال ہے۔ وہ سسرالی رشتے نبھا نبھا کر ختم ہو گئی ہیں۔ بجو کا حال دیکھ کر ہی میری یہ خواہش ہے کہ مجھے زیادہ لوگوں میں نہ رہنا پڑے''۔

وہ ان کے چہرے پر پھیلی حیرت کو بھانپتے ہوئے خود ہی اپنے رویوں کی وضاحت کرنے لگی۔ ''ویسے تو کبھی نہ کبھی مجھے کراچی سے واپس پنڈی جانا ہی پڑ جاتا۔ اب اگر میری شادی کراچی میں ہو گئی تو میں آپ کے قریب ہی رہوں گی۔ آپ سے جلدی جلدی مل سکوں گی۔ بس آپ ان

سے یہ کہہ دیجیے گا کہ شادی میں کم از کم ایک سال بعد کروں گی۔ ابھی عادل کی جاب کا مسئلہ ہے۔ تب تک تو شہود کی پڑھائی اور گھر کے اخراجات کا مجھے ہی سوچنا ہے''۔

وہ بہت دوستانہ سے انداز میں ان سے ساری باتیں ڈسکس کر رہی تھی۔ اس کے یہ بات شروع کرنے پر جو انہیں بے باکی اور بدلحاظی کا احساس ہوا تھا، وہ ختم ہو چکا تھا۔ انہیں ایسا لگا کہ وہ انہیں اپنا دوست سمجھ کر بالکل اسی طرح باتیں کر رہی ہے، جس طرح انسان دوستوں کے ساتھ کیا کرتا ہے اور دوست بزرگ بن کر نصیحتیں نہیں کیا کرتے۔ اس کی بھی وہی خواہش ہے جو اکثر لڑکیوں کی ہوا کرتی ہے۔ بس میں اور میرا شوہر۔ کوئی تیسرا فرد انہیں اپنے درمیان دیکھنا منظور نہیں ہوتا۔ اپنے گھر میں بہت سے بہن بھائیوں کے ساتھ خوشی خوشی محبت سے رہ لیں گی، لیکن سسرال میں دو تین افراد بھی انہیں بڑا خاندان اور وبال جان نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی خامی کا خود ہی اعتراف کر رہی تھی۔ وہ اسے کیا ٹوکتیں۔

''ہم لوگ تو تمہارے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رہے تھے، لیکن خیر اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ میں پنڈی فون کر کے نگین سے اس بارے میں بات کرلوں۔ پھر ہی تہمینہ کو کوئی جواب دیا جائے گا''۔ وہ آہستگی سے کہتی ہوئیں اس کے پاس سے اٹھ گئیں۔ نہ اس نے پوچھا نہ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اس کے بارے میں ''کچھ اور'' کیا سوچ رہے تھے۔

اسے پھوپھو کی مروّت برتنے والی اس ادا پر ہنسی آئی، جو سوچ صرف اس کی ماں کی تھی، اس میں خود کو بھی شامل کر کے انہوں نے اسے فرد واحد کی سوچ سے بدل کر دو لوگوں کی سوچ میں تبدیل کر لیا تھا۔

اس سے قبل کہ پھوپھو پنڈی فون کرتیں، اس نے خود امی کو فون کر لیا۔ بہت سنجیدگی سے اس نے انہیں اپنے لیے آئے، اس رشتے کے بارے میں بتایا۔

''کیا جاب کرتا ہے ردا کا کزن؟'' وہ ان کے سوال کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ وہ بندے کی حیثیت، مرتبے اور مالی پوزیشن کا اندازہ کرنا چاہتی تھیں، اگر اس کا اسٹیٹس پھوپھو کی فیملی سے اونچا ہے تو وہ ایک پل کے لیے بھی یہ بات نہیں سوچیں گی کہ ابھی دو روز پہلے وہ نند سے اس کے بیٹے کا رشتہ مانگ چکی ہیں اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس دوسرے رشتے کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گی۔ ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری تھی، ان کا یہ سوال سن کر۔

''بہت اچھی جاب ہے اس کی۔ سیلری بھی بہت اچھی ہے، لیکن داؤد کے ساتھ اگر مقابلہ کیا جائے تو شاید اس سے آدھی تنخواہ ہوگی۔ تنخواہ کے ساتھ دیگر مراعات بھی اتنی شان دار نہیں جتنی داؤد کو میسر ہیں۔ پوسٹ بھی اس کی جتنی اونچی نہیں ہے۔ ملکوں ملکوں گھومنے کے وہ مواقع بھی نہیں جو داؤد کو حاصل ہیں۔ سوشل سرکل بھی داؤد کے جتنا وسیع نہیں اور تاجروں، صنعت کاروں اور اعلیٰ افسروں کے ساتھ کونٹیکٹس بھی داؤد کے جیسے نہیں۔ مختصراً یہ کہ داؤد کے ساتھ مقابلے میں ہر معاملے میں اس کے مارکس داؤد سے کم آئیں گے، لیکن اس کے باوجود میں اس رشتے کے حق میں ہوں اور یہ رشتہ اگر کسی وجہ سے نہیں بھی ہو سکا، تب بھی داؤد وقاص کے ساتھ، میں کبھی بھی اور کسی بھی قیمت پر شادی نہیں کروں گی۔ میں دنیا کے کسی بھی مرد کے ساتھ شادی کر لوں گی، مگر اس کے ساتھ نہیں اور یہ میرا اٹل فیصلہ ہے''۔

اس کا انداز اتنی قطعیت لیے ہوئے تھا کہ وہ جواب میں کچھ بول ہی نہیں سکی تھیں۔ اس کے لہجے میں ضد تھی، سرکشی تھی، من مانی تھی۔ ایسے جیسے اب وہ کسی کی کوئی بات نہیں مانے گی۔ ان سے بات کرنے کے بعد کتنی دیر تک وہ چاپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے ان کے ساتھ اس لہجے میں بات کی تھی۔ اس وقت وہ خاموش بیٹھی اپنے لہجے کی بدصورتی پر افسردہ ہو رہی تھی۔

☆

پھوپھو کی امی سے رات میں بات ہوئی تھی۔ اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ ان کی امی سے کیا بات ہوئی ہے، لیکن اس نے انہیں اگلے روز تہمینہ باجی کو فون کرتے ضرور دیکھا تھا۔ انہوں نے تہمینہ باجی کو باقاعدہ رشتہ لے کر آنے کی دعوت دی تھی۔ ساتھ میں عثمان کو بھی بلایا تھا۔ شاید وہ یہ چاہتی تھیں کہ دانیا، عثمان کو دیکھ لے۔ شام میں وہ میرال کے ساتھ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی، جب داؤد بڑے غصیلے موڈ میں وہاں آیا۔

"تمہارے امتحان سر پر ہیں اور تم بجائے پڑھنے کے بیٹھ کر ٹی وی دیکھ رہی ہو" ۔ اس نے درشتی سے میرال سے کہا۔

اس نے اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر ایک نظر اس پر اور پھر ایک نظر میرال پر ڈالی جو ہمیشہ دوستوں کی طرح رہنے والے چاچو کو بلاوجہ غصے میں آتا دیکھ کر سہم گئی تھی۔ ڈانٹ کھا کر رونے والی شکل بنائے وہ وہاں سے اُٹھ گئی تو وہ خود وہیں بیٹھ گیا اور اس کے پاس پڑا ریموٹ کنٹرول اُٹھا کر چینل بدل دیا۔

"الہ دین اور اس کے جادوئی چراغ کی کہانی دیکھنے کی عمر، میں عرصہ ہوا گزار چکا ہوں" ۔ اسکرین پر نظریں مرکوز کیے یہ طنزیہ جملہ بولا گیا تھا۔ وہ بغیر کوئی جواب دیے خاموشی سے وہاں سے اُٹھ گئی۔

سیڑھیوں کی طرف جاتے اسے ریموٹ کے بہت زور سے پٹخے جانے اور پھر ٹی وی بند کیے جانے کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کر اس طرف نہیں دیکھا تھا۔

پھر رات گئے تک وہ اسے اسی چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتا نظر آیا۔ سب سے زیادہ شامت ثمین میرال اور شارم کی آئی ہوئی تھی۔ جن کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ اس سے عمر میں چھوٹے تھے۔ بات بے بات اس نے کئی بار ثمین کو میرال کو جھڑکا تھا۔

"آپ کو کیا ہوا ہے داؤد بھائی؟" ثمین نے آخر ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

"کیا ہوا ہے مجھے؟" وہ آنکھیں نکالے برہم سے انداز میں بولا۔

"لگتا ہے آج آفس میں کسی سے لڑائی ہوئی ہے اور اس کا غصہ گھر والوں پر اُتار رہا ہے۔ اتنے تلخ اور بدمزاج ہو رہے ہیں۔ جو ڈش آج بھابھی نے پکائی ہے بالکل اسی جیسے" ۔ ثمین نے سامنے باؤل میں رکھے قیمہ بھرے کریلوں کی طرف اشارہ کیا تو عاصم بھائی اس کی تشبیہ پر مسکرا دیئے، جبکہ وہ مزید غصے میں آ گیا۔

کھانے کی میز پر اس وقت عاصم بھائی، ثمین، داؤد اور دانیا موجود تھے۔ باقی لوگ ابھی کھانے کی میز پر نہیں آئے تھے۔

"ہاں پاگل ہو گیا ہوں میں۔ بلاوجہ غصہ آ رہا ہے مجھے" ۔ وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اُٹھا اور پیر پٹختا ڈائننگ روم سے نکل گیا۔ پیچھے ثمین

اسے آواز دیتی رہ گئی تھی۔

''میں نے تو یونہی مذاق کیا تھا۔ داؤد بھائی ناراض ہو گئے''۔ اسے بھائی کا بغیر کھانا کھائے اُٹھ جانا بہت تکلیف پہنچا رہا تھا۔ وہ فوراً ہی اس کے پیچھے گئی تھی۔ اسے منانے اور واپس بلانے کے لیے لیکن اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ روزانہ کی طرح رات میں پھوپھو کے کمرے میں ان کے ساتھ باتیں کرنے کے ارادے سے آئی تو داؤد ان کے ساتھ بیٹھا نظر آیا۔ ان کے پاس بیڈ پر بیٹھا وہ بڑے راز دارانہ اور خفیہ انداز میں کوئی بات کر رہا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ یک دم ہی لب بھینچ کر بالکل خاموش ہو گیا۔ پھوپھو نے اسے بیٹھنے کی آفر کی، لیکن ان کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت وہ کوئی بہت ضروری بات کر رہے ہیں اور اس نے انہیں ڈسٹرب کر دیا ہے۔ اس نے انکار کیا تو انہوں نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔ کمرے میں واپس آ کر وہ آنے والے دن کے بارے میں سوچنے لگی۔

کل پھوپھو نے رات کے کھانے پر تہمینہ باجی کو انوائیٹ کر رکھا تھا۔ ان کے انداز سے تو یہ لگ رہا تھا کہ وہ کل ہی ہاں کروا کر جائیں گی۔

اگلے روز اس نے آفس کی چھٹی کی تھی۔

آج کی دعوت اس کے ہونے والے سسرالیوں کی تھی۔ پھوپھو تو عام مہمانوں کے لیے بھی بہت مہمان نواز خاتون ثابت ہوئی تھیں تو پھر بھتیجی کے سسرالیوں کے لیے تو انہوں نے لازمی بہت شاندار سے ڈنر کا اہتمام کرنا تھا۔ پھوپھو اور بھابھی دن بھر لگ کر اس کے سسرالیوں کی خاطر مدارت کا اہتمام کریں اور وہ شان بے نیازی سے آفس چل دے۔ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی، اس لیے آفس سے چھٹی کر لی تھی۔ پھوپھو نے اسے آفس کے لیے تیار نہ ہوتا دیکھ کر استفسار کیا تو اس نے انہیں اپنی چھٹی کا بتا دیا۔

''لیکن وہ لوگ تو آج نہیں آ رہے''۔ ان کا جواب اسے حیران کر گیا۔

''کیوں؟''

میں نے ہی رات تہمینہ کو آج کے لیے معذرت کی تھی۔ اصل میں آج مجھے کچھ کام ہے''۔ انہوں نے جواب دیا۔

''پھر کب آئیں گے اب وہ لوگ؟'' ابھی اس کا سوال مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ داؤد کچن میں آ گیا۔

''بہت بے قراری ہے شادی کرنے کی۔'' عجب تمسخرانہ انداز میں اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

وہ اسے آتا دیکھ کر ہی جھنجھلا گئی تھی۔ مزید کسر اس کے جملے نے پوری کر دی تھی۔ پھوپھو نے بیٹے کو گھور کر دیکھا، لیکن وہ ان کے گھورنے کی پروا کیے بنا فریج میں سے کچھ نکالنے لگا تھا۔

''اب شاید کل آئیں گے وہ لوگ''۔ دانیا کے چہرے پر پھیلتی ناگواری اور غصہ دیکھ کر انہوں نے رسانیت سے جواب دیا۔ وہ ان سے مزید کوئی سوال جواب کیے بغیر کچن سے نکل گئی تھی، جبکہ وہ ہنوز کچن میں کھڑا پانی پیتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''شاید کل آئیں گے''۔ باہر نکل کر اس نے پھوپھو کا جواب دہرایا۔

''یہ شاید کیا ہوتا ہے؟'' وہ اُلجھی۔

''آئیں گے یا نہیں آئیں گے، ان دو باتوں کے بیچ یہ شاید کہاں سے ٹپک پڑا''۔

شام تک وہ اسی بات پر اُلجھتی رہی تھی۔ ثمین کو ندا سے کوئی کام تھا۔ وہ کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی تھی، اکثر پڑھائی کے حوالے سے ان دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت پڑ جایا کرتی تھی۔

''چچا کے گھر جا رہی ہوں میں، آپ چلیں گی، میرے ساتھ؟'' ثمین نے اس سے پوچھا تھا۔ چچا کا گھر قریب ہی تو تھا لیکن شاید اس وقت ہلکا ہلکا سا اندھیرا پھیلتا دیکھ کر وہ اکیلے جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ ثمین کے ساتھ جانے کے لیے اُٹھ گئی تھی۔ چچا کے گھر پہنچ کر ثمین تو ندا کے ساتھ مصروف ہو گئی، جبکہ وہ سحر اور چچی کے ساتھ باتیں کر کے ثمین کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

ابھی انہیں آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اسے داؤد اندر آتا نظر آیا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر وہ وہیں لاؤنج میں ہی فواد کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ بیچ بیچ میں چچی اور سحر سے بھی اس کی ہلکی پھلکی گفتگو جاری تھی۔ چچی نے اسے سحر کے کسی رشتے کے بارے میں بتایا تو وہ اس سے بولا۔

''اچھا تمہیں بھی شادی کی جلدی ہو رہی ہے''۔

''یہ بھی کا کیا مطلب ہے داؤد بھائی اور کس کس کو جلدی سے شادی کی''۔ فواد نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''یہی آج کل کی لڑکیوں کو اور کس کو، جسے دیکھو جلد سے جلد شادی کروانے کے شوق میں مبتلا ہے۔ پہلے لڑکیاں اپنے شادی بیاہ کے ذکر پر شرما جایا کرتی تھیں، اب تو وظیفے پڑھ پڑھ کر جلدی سے شادی ہو جانے کی دُعائیں مانگا کرتی ہیں''۔ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ فواد بھی اس کے کمنٹس پر ہنسنے لگا تھا، جبکہ سحر ان جملوں کا بُرا مان گئی تھی۔

''میں نے کوئی وظیفہ نہیں پڑھا اور نہ ہی مجھے شادی کا کوئی شوق ہے''۔

وہ کچھ دیر تو یہ باتیں برداشت کرتی رہی، مگر پھر یہ سوچ کر کہ جب تک وہ یہاں بیٹھی رہے گی، وہ اسی پر اس طرح طنزیہ فقرے اُچھالتا رہے گا، گھر واپسی کے لیے کھڑی ہو گئی۔

''تمہیں تو ابھی دیر لگے گی۔ میں چلتی ہوں''۔ وہ نسبتاً الگ تھلگ سے صوفے پر ندا کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھی ہوئی ثمین سے مخاطب ہوئی اور پھر سب کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکل آئی۔

باہر سرد ہوا کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کی چچی اور سحر کے ساتھ کراچی کے اس غیر متوقع سرد موسم پر گفتگو ہوتی رہی تھی۔ وہ لوگ اس سرد موسم کو بہت انجوائے کر رہے تھے۔

''کبھی کبھار سالوں میں تو ایسا موسم یہاں آتا ہے۔ آج کل تو ہم لوگ کراچی میں بیٹھ کر مری کے موسم کا مزہ لے رہے ہیں''۔ سرد ہوا سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر تیز تیز چلتے اسے سحر کا موسم کے حوالے سے کہا گیا جملہ یاد آیا۔

پتا نہیں جو موسم سب لوگوں کو بہت اچھا لگ رہا تھا، وہ اسے کیوں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ یہ خوب صورت موسم بھی اس کی بیزاری اور اُداسی کو دور نہیں کر پایا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ نہ اسے یہ سرد ہوا کے جھونکے خوشگوار سردی کا احساس دلا رہے ہیں۔ نہ آسمان پر چمکتا چودھویں

کا چاند اسے دلکش لگ رہا ہے۔ نہ درخت نہ پھول، نہ ہوائیں، اسے کچھ اپیل نہیں کر رہا اور اپنی اُداسی کی وجہ وہ دانستہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ خود اپنے آپ سے وہ اس وجہ کو چھپا لینا چاہتی تھی۔

اپنے پیچھے اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑ کر دیکھتی، وہ قدم اس کے برابر آ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ سر اُٹھا کر دیکھے بغیر وہ اسے اس کے مخصوص پرفیوم کی وجہ سے پہچان گئی تھی۔

یہ خوشبو اس کے لیے اتنی مانوس ہے کہ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اسے پہچان گئی ہے۔ اس بات پر وہ خود اپنے آپ سے ہی خفا ہوگئی۔

''سنا ہے شادی کے لیے آپ کو ایک عدد لاوارث بندے کی تلاش ہے۔ وہ جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو، نہ ماں باپ، نہ بھائی بہن۔'' آہستہ آواز میں، لیکن بڑے کڑک دار انداز میں کہا گیا تھا۔

وہ سر اُٹھا کر دیکھے بغیر جس طرح پہلے چل رہی تھی، اسی طرح چلتی رہی بنا جواب میں کچھ بولے۔

''اور سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آپ کو سسرالی رشتے زہر لگتے ہیں، اسی لیے آپ ایک انجانے اور ان دیکھے شخص کا رشتہ قبول کرنے کے لیے تیار ہوگئیں، محض اس وجہ سے کہ وہ اپنے گھر میں اکیلا رہتا ہے۔ حالانکہ کچھ عرصہ پہلے تک آپ کو ایک ایسا گھر جہاں بہت سے لوگ تھے اور بہت سے رشتے تھے، آئیڈیل لگا کرتا تھا۔ آپ کو وہ گھر اپنا ہی گھر لگا کرتا تھا، سوچ کی اس اچانک تبدیلی کو کیا نام دیا جائے؟ قول اور فعل کا تضاد یا پھر مجھ سے پیچھا چھڑانے کی ایک احمقانہ کوشش''۔ اس طنزیہ جملے کے اختتامی حصے نے اسے قدرے مشتعل کر دیا تھا۔

''اپنے انتہائی پرسنل معاملات کے بارے میں، میں نے آپ سے کوئی رائے نہیں مانگی۔ میں شادی کس سے کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں۔ یہ سراسر میرا ذاتی معاملہ ہے''۔

''مجھے کوئی رائے دینے کے لیے تمہاری اجازت درکار بھی نہیں ہے''۔ طنزیہ انداز ترک کر کے وہ بھی غصے میں آ گیا تھا۔

''اور تمہارے ذاتی معاملوں کی کیا بات ہے۔ مجھ سے کسی بھی طرح تمہاری جان چھوٹ جائے، چاہے اس کے لیے تمہیں چراغ دین کے آٹھ بچوں کی سوتیلی اماں ہی کیوں نہ بننا پڑ جائے۔ تم وہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لوگی''۔

وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا غرایا۔ اپنا نام گھر میں کام کرنے والے مالی کے ساتھ جوڑے جانے پر اس نے طیش کے عالم میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ سامنے دیکھتا بہت غصیلے انداز میں چل رہا تھا۔ اس کے دیکھنے کو محسوس کر لینے کے باوجود اس نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔

''اس کے گھر میں بھی تمہیں سسرالی رشتوں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا پڑے گا۔ صرف اس کے معصوم سے بچے ہی تو ہوں گے وہاں پر اور سوتیلے بچے غالباً سسرالی رشتہ داروں کی فہرست میں نہیں آتے۔ آج کل وہ ہے بھی دوسری شادی کے چکر میں، کہو تو تمہارے لیے وہاں کوشش کروں؟''

اس کا انداز استہزائیہ بلکہ کسی حد تک ہتک آمیز تھا۔ ایسے جیسے وہ جان بوجھ کر اسے اشتعال دلانا چاہ رہا ہو۔

''آپ انتہائی فضول باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے، آپ کی ان بے ہودہ باتوں پر''۔

''تم دوسروں کے جذبات کا جس طرح چاہے مذاق اڑا لو۔ تمہیں پورا پورا حق حاصل ہے اور وہ جواب میں اُف تک نہ کریں۔ صرف یہی ہے ناں کہ میں نے فلمی ہیروز کی طرح کوئی تھرڈ کلاس قسم کے ڈائیلاگز نہیں بولے تھے۔ باقی تو کوئی کمی نہیں تھی، میرے خلوص میں''۔ وہ اس کی بات پر بڑے جارحانہ انداز میں اس کی طرف گھوما۔

اب کی بار وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔ اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا، جبکہ وہ خود مسلسل اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیوں کر رہی ہو تم یہ بے وقوفانہ حرکتیں۔ کیا مل رہا ہے تمہیں یہ سب کر کے''۔ اس کے چہرے پر بکھری اُداس سی خاموشی نے اسے جارحانہ انداز ترک کر کے نرمی اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا۔

''تم مجھ سے کیوں بھاگ رہی ہو دانیا! ایسا کیا ہو گیا ہے جو تمہیں مجھ سے دور بھاگنے پر مجبور کر رہا ہے''۔ اس کے اس نرمی بھرے سوال نے اسے بُری طرح نروس کر دیا تھا۔ جوباً وہ کسی بھی قیمت پر اس کے ساتھ ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ خود بخود اس بات کا سرا پکڑنے لگا تھا۔ اس نے اپنے قدموں یک رفتار بڑھا کر اس سے آگے ہو جانا چاہا۔

''میری بات کا جواب دو تم..........'' اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور خود بھی رُک گیا۔

''میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے گھر جانا ہے''۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''سڑک پر تماشا بن رہا ہے''۔ اپنی کوشش کی ناکامی کے بعد کچھ عاجز آ کر اس نے روہانسی آواز میں کہا۔

''میں تو صرف سڑک پر ہی تماشا بنا رہا ہوں۔ تم نے تو میری پوری زندگی کو تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔ امی کہہ رہی ہیں کہ دانیا انہیں بہت پسند ہے، لیکن خود اسے بھابھی کا وہ اسٹوپڈ کزن اگر پسند آ رہا ہے تو پھر وہ اسے نہ تو اپنی مرضی کے کسی فیصلے کے لیے مجبور کر سکتی ہیں اور نہ ہی کسی بھی طرح اسے پریشرائز کرنے کے حق میں ہیں۔ پچھلے چار روز سے اس عذاب میں مبتلا ہوں۔ صدام حسین کو تو اپنا ملک تباہی اور بربادی سے بچانے کے لیے پھر سات دن کی مہلت ملی تھی، مجھے اپنا شہرِ محبت بچانے کے لیے صرف ایک دن ملا ہے۔ صرف ایک دن اور یہ ایک دن بھی کل رات امی کے ساتھ بہت بحث و تکرار کے بعد میں نے حاصل کیا ہے۔ انہوں نے صاف صاف مجھ سے کہا ہے کہ آج ہی انہوں نے بھابھی کی کزن کو فون کرنا ہے یا کل بلانے کے لیے یا کبھی بھی نہ بلانے کے لیے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بلاوجہ کسی کو آس اور امید میں نہیں رکھنا چاہتیں۔ یا ہاں ہو یا شادی اور میں ان سے ایک دن کی مہلت لے کر آیا ہوں۔ یہ کہہ کر کہ اگر آپ کی بھتیجی بہت ضدی اور خودسر ہے تو میں بھی کم ضدی اور خودسر نہیں۔ تم ایک بار میری آنکھوں میں دیکھ کر یہ کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔ بس صرف اتنی سی بات ہے۔ اس سے زیادہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا''۔

اس کا لہجہ بہت ضدی اور اپنی بات کسی بھی قیمت پر منوا لینے والا تھا۔ اس کا راستہ روک کر، اس کے بالکل سامنے جم کر وہ کچھ اس انداز میں کھڑا تھا، گویا اپنی بات کا جواب لیے بغیر اسے وہاں سے ہلنے بھی نہیں دے گا۔ اس نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر یہ بات کبھی بھی نہیں کہہ سکے گی۔ یہ بات اسے معلوم تھی اور اسی بات پر اسے خود پر سخت قسم کا غصہ آ رہا تھا۔

''پھوپھو کو اگر میں پسند ہوں تو پھر یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔ بحیثیت بھتیجی کے تو میں انہیں پسند ہو سکتی ہوں، مگر بہو بنانے کے لیے بھی

بھی نہیں۔ کیا وہ ان لوگوں کے ساتھ نئے رشتے جوڑنے کے لیے آمادہ ہو سکتی ہیں، جنہوں نے پہلے سے موجود رشتوں ہی کا کبھی کوئی بھرم نہ رکھا ہو۔ میرا خیال ہے کہ پھوپھو نے یہ بات آپ سے یونہی مروتاً کہہ دی ہے کہ دانیا انہیں پسند ہے۔ ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ دانیا انہیں پسند نہیں۔ ہاں البتہ دانیا کی ماں کو ان کا بیٹا اپنی بیٹی کے لیے دل و جان سے پسند ہے''۔

وہ بہت تلخ سے انداز میں بولی۔ اس کے لہجے میں خود اذیتی کی جھلک تھی۔ اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد اس نے داؤد کی طرف دیکھا۔ شاید اپنی بات کا ردِعمل اس کے چہرے پر پڑھنا چاہتی تھی۔

''تمہیں یہ بات بُری لگی ہے کہ ممانی یہاں رشتے کی بات کر کے گئی ہیں؟'' اس نے بردباری سے پوچھا۔ وہ اس کے اصل بات جاننے پر ذرا بھی متعجب نہیں ہوئی۔ البتہ ذلت کا احساس مزید شدت سے اس کے دِل میں اُبھرا تھا۔

''میں یہاں نہ رشتے طے کروانے آئی تھی، نہ اپنی شادی کا مسئلہ حل کروانے۔ میں صرف اپنی جاب کے لیے کراچی آئی تھی۔ ہاں آپ لوگوں کے گھر کا ماحول مجھے شروع دِن سے بہت اچھا لگا۔ میں نے ہمیشہ اسے آئیڈلائز کیا۔ یہاں سب کے ساتھ گھل مل کر رہنا مجھے اچھا لگتا تھا۔ پھوپھو کا محبت بھرا اور شفیق انداز میرے دِل کو بھاتا تھا۔ اس سے زیادہ اور کوئی بات نہیں تھی، لیکن اب جو یہ ساری باتیں ہو رہی ہیں، یہ سب سوائے مجھے ہرٹ کرنے کے کچھ نہیں دے رہیں اور آپ لوگ آخر اتنے اچھے اور فرشتہ صفت بننے کی کوششیں کیوں کر رہے ہیں، جن لوگوں سے آپ لوگوں کو نفرت کرنا چاہیے، آپ ان سے نفرت کیوں نہیں کرتے۔ مجھے نارمل انسان اچھے لگتے ہیں۔ فرشتوں اور دیوتاؤں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میری ماں نے کبھی پھوپھو کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا اور اب جب آپ لوگ ہم سے زیادہ بلند اور بہتر معیارِ زندگی رکھتے ہیں تو ہمیں سب ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑنے کا خیال آ گیا ہے۔ مجھے ترس اور ہمدردی سے نفرت ہے''۔

اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ وہ خود کو رونے سے روک رہی تھی، لیکن یہ سب کچھ اتنا تکلیف دہ تھا کہ اسے آنسوؤں پر بند باندھنا مشکل ہو رہا تھا۔

''میں نہ دیوتا ہوں اور نہ فرشتہ۔ یقین کرو میں بالکل عام سا انسان ہوں۔ میں اتنا ہی اچھا یا اتنا ہی برا ہوں جتنا ایک نارمل انسان ہوا کرتا ہے۔ تم ان ساری باتوں کو بہت جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو۔ ممانی سے کیا ہم لوگ نئے نئے ملے ہیں جو ان کے مزاج سے ناواقف ہوں۔ ہم انہیں ایک عرصے سے جانتے ہیں اور ان کے مزاج کی تمام اچھائیوں اور تمام برائیوں کے ساتھ انہیں قبول کر چکے ہیں۔ سب لوگ ویسے نہیں ہو سکتے جیسا ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم اس بات کو اتنی جذباتیت اور اتنی شدّت کے ساتھ کیوں سوچتی ہو کہ تمہاری امی ویسی نہیں جیسا تم انہیں دیکھنا چاہتی ہو۔ تم ان کا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کرو، انہوں نے بہت کچھ پا کر کھو دیا ہے۔ وہ ابھی تک کھو دینے کی اس صدماتی کیفیت میں ہیں۔ اب اس عمر میں آ کر وہ نہیں بدل سکتیں۔ بہتر ہے تم انہیں ان ہی عادتوں کے ساتھ قبول کر لو'' اس نے متانت سے کہا۔ وہ خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

''اب دوسری بات جو تم نے اس بارے میں کی کہ مجھے تم سے نفرت ہونی چاہیے تھی۔ میں نے کبھی تم سے اور تمہاری فیملی سے نفرت نہیں کی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تم لوگوں کی میری نزدیک ایسی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی کہ میں تم لوگوں کے بارے میں سوچتا اور نفرت کرتا۔ ہاں جب تم یہاں

آئیں تو شروع شروع میں تم میرے لیے ایک عام سی کزن اور ایک عام سی مہمان تھیں۔ایسی کزن اور مہمان جس کی میرے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔کہتے ہیں کہ لڑکے اپنی آئیڈیل لڑکی میں اپنی ماں کی اور لڑکیاں اپنے باپ کی سی عادتیں دیکھنا پسند کرتی ہیں۔میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔میں نے جب کبھی اس آئیڈیل لڑکی کے بارے میں سوچا جسے میں اپنی شریک حیات بنانے کا فیصلہ کرتا تو لاشعوری طور پر میں اس میں اپنی ماں کی جیسی عادتیں دیکھنے کی خواہش کیا کرتا تھا۔دوسروں کو چھوڑ خود ہم گھر والوں اور خاص طور پر میرے لیے وہ ایک بہت ہی سیدھی اور نئے زمانے کے تقاضوں سے مطابقت نہ رکھنے والی خاتون ہیں۔ان کی حد سے بڑھی ہوئی سادگی اور مروّت کو ہمیشہ میں نے برملا تنقید کا نشانہ بنایا،لیکن پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ جب کبھی میرے راستے میں کوئی رُکاوٹ آئی،کہیں میں ناکام ہونے لگا تو ایک اَن دیکھی قوت مجھے اس مشکل سے نکال لائی۔

بہت سی جگہوں پر مجھ سے بھی بڑھ کر قابل اور ذہین لوگ موجود ہیں،لیکن ان کے ہوتے ہوئے بھی کامیابی اور سرخروئی میرے ہی حصے میں آتی ہے۔میں نے آج تک بھی ان کے منہ پر یہ بات قبول نہیں کی،لیکن میں جانتا ہوں کہ ہم بہن بھائیوں نے جہاں جہاں اور جو جو کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں،ان سب کے پیچھے ہماری ماں کی اچھائیاں اور نیکیاں ہی کارفرما ہیں۔تم بہت سی باتوں میں ان کے جیسی ہو۔پہلی مرتبہ میں تمہیں اہمیت دینے پر اس وقت مجبور ہوا تھا،جب تم نے ثمین کی ایک غیر اخلاقی حرکت کو بڑی اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اگنور کر دیا تھا۔وہی دن تھا جب سے میں نے تمہارے بارے میں مختلف انداز سے سوچنا شروع کیا۔ہر گزرتے دِن کے ساتھ تمہاری شخصیت میرے سامنے واضح ہوتی چلی گئی۔اگرچہ تم پوری کی پوری امی جیسی نہیں ہو۔وہ تمہاری طرح ضدی نہیں۔وہ تمہاری طرح جذباتی اور جلد باز بھی نہیں۔ان میں صبر،تحمل اور برداشت بہت زیادہ ہے،لیکن پھر بھی بعض باتوں میں تم کچھ کچھ ان کے ہی جیسی ہو''۔

وہ بہت رسانیت اور سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔اس کا ہاتھ اس نے چھوڑ دیا تھا،لیکن وہ دونوں ابھی بھی اسی طرح سڑک کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے۔

''ثمین کے نکاح کے اگلے روز تمہاری غیر معمولی خاموشی اور خفگی کی میں یہ وجہ سمجھا کہ تمہیں ممانی کا عاصم بھائی اور مجھ سے عادل کی جاب کے بارے میں بات کرنا اچھا نہیں لگا ہے۔جس لڑکی کو صرف اتنی سی بات،بہت بڑا احسان نظر آتی ہو کہ میں یا عاصم بھائی اسے اس کے آفس تک ڈراپ کر دیں۔وہ اس بات کو کس طرح پسند کر سکتی تھی کہ بھائی کی جاب کے لیے ہمارا احسان لے،لیکن پھر جس طرح تم نے آنا فانا رشتہ قبول کیا اور شادی کے لیے آمادہ نظر آنے لگیں،اس نے مجھے چونکایا۔مجھے احساس ہوا کہ بات یہ نہیں۔اصل بات شاید کچھ اور ہے۔پھر میں امی کے پاس گیا۔انہوں نے کہا کہ وہ آج کل میں مجھ سے تم سے شادی کے بارے میں میری رائے معلوم کرنے والی تھیں اور یہ کہ خود ممانی بھی اس بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کر گئی ہیں،لیکن تمہارا انٹرسٹ اس دوسرے رشتے میں ہے،تو پھر ظاہری بات ہے وہ تمہیں مجبور نہیں کر سکتیں۔

امی کو تمہارے اس فیصلے سے بہت دُکھ ہوا ہے۔جو باتیں تم سوچ رہی ہو،وہ ہم میں سے کسی نے بھی تمہارے بارے میں کبھی نہیں سوچیں۔پلیز اس طرح کی احمقانہ سی جذباتیت میں مبتلا ہو کر اپنے اور میرے لیے مشکلات مت پیدا کرو''۔بہت نرمی اور رسانیت سے وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کیا واقعی سب مجھے اتنا عزیز رکھتے ہیں۔ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں، لیکن میں اتنی اچھی ہوں تو نہیں''۔ وہ اچانک ہی رو پڑی تھی۔ ان گزرے دنوں میں اس نے خود کو بہت حقیر اور کم تر ہوتا محسوس کیا تھا۔ اپنے گزشتہ ایک ایک عمل اور ایک بات پر وہ ان گزرے دنوں میں شرمندہ ہوئی تھی۔ خود اپنے آپ کو وضاحتیں دیتی رہی تھی۔

''اس گھر کے محبت بھرے ماحول نے مجھے اچھا بنا دیا، ورنہ مجھ میں کوئی خوبی نہیں۔ سوائے اس کے، کہ میرے لیے زندگی میں سب سے اہم چیز محبت ہے۔ یہ بہت شدت سے مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے اور یہاں مجھے ہر جگہ محبت ہی محبت نظر آئی۔ اس محبت نے مجھے باندھ لیا۔ مجھے بہت اچھا بنا دیا۔ میں دولت پرست نہیں۔ مجھے بڑے بڑے مکانات اور قیمتی گاڑیوں کی چاہ نہیں۔ میرے لیے انسانوں کی اچھائی اور برائی ناپنے کا پیمانہ دولت نہیں۔ میں لوگوں کے رویوں میں خلوص ڈھونڈتی ہوں۔ آپ کو میں بہت اچھا انسان سمجھتی ہوں، اس کی وجہ آپ کا اسٹیٹس نہیں، جو عادتیں آپ میں ہیں، وہی سب ہوتیں، لیکن آپ کہیں کوئی بہت معمولی سی جاب کر رہے ہوتے، میں تب بھی آپ کو اتنا ہی اچھا سمجھتی، جتنا اب سمجھتی ہوں''۔

وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی، اس کی یہ بات سن کر اس کے لبوں پر اچانک ہی بہت خوش گوار اور شوخ سی مُسکراہٹ بکھری تھی۔

''شکر ہے۔ آخر کار تمہارے منہ سے میرے لیے کوئی تو تعریفی جملہ نکلا۔ کتنی دیر سے میں تمہاری تعریفیں کیے چلا جا رہا ہوں اور جب ہم کسی کی تعریف کرتے ہیں تو دل ہی دل میں توقع کر رہے ہوتے ہیں کہ ہمیں بھی جوابی تعریف سے نوازا جائے گا۔ ویسے تمہارے جملے سے مجھے تھوڑا سا اختلاف ہے۔ اگر تم یوں کہتیں کہ میں تب بھی آپ ہی سے محبت کرتی تو بات زیادہ خوب صورت اور زیادہ سچی لگتی''۔

اس کا یہ برجستہ اور شوخ سا انداز اس کے لبوں پر بھی مُسکراہٹ لے آیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور لبوں پر مُسکراہٹ تھی۔ داؤد نے اس منظر کو بہت دلچسپی سے دیکھا۔

''کبھی تم نے بہت تیز بارش میں اچانک ہی دھوپ نکلتے دیکھی ہے''۔ وہ ایک دم جھینپ سی گئی تھی۔ بے اختیار اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور فوراً ہی چلنا شروع کر دیا۔ چند لمحے تک تو احساس نہیں ہوا تھا، لیکن اب یہ سوچ کر وہ سڑک پر اس کے عین سامنے کھڑے ہو کر روئی ہے۔ اسے کچھ شرمندہ سا کر گیا تھا۔ اسے چلتا دیکھ کر وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

''خوب صورت لڑکی! اتنی بے دردی سے بھی نہ پیش آؤ اپنے ساتھ''۔ اسے اسی طرح دوپٹے سے چہرہ رگڑتے دیکھ کر اس نے ٹوکا۔ وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''تمہیں پہلی مرتبہ اس خوش فہمی میں مبتلا کس نے کیا تھا کہ تم خوب صورت ہو''۔

وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ اسے باتوں میں اُلجھا کر اس نے قصداً گھر پہنچنے کے لیے لمبا راستہ اختیار کیا تھا اور اب وہ دل ہی دل میں اس بات پر پچھتا رہی تھی کہ اسے کچھ دیر پہلے اس بات کا احساس کیوں نہیں ہوا تھا۔ اب بقیہ تمام راستہ اسے اسی قسم کی گفتگو کا سامنا کرنا تھا۔ وہ اس کے جواب نہ دینے پر ذرا بھی بُرا نہیں مانتا تھا، بلکہ اسی طرح مُسکرا رہا تھا۔

''تمہاری وہ فیوریٹ ہارر مووی میں دو مرتبہ دیکھ چکا ہوں اور دو مرتبہ دیکھنے کے باوجود بھی میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اس میں ڈرنا کہاں

تھا۔ سوچ رہا ہوں، اب اس کی ایک DVD خرید لوں اور پھر تیسری مرتبہ اسے تمہارے ساتھ دیکھوں۔ تم مجھے بتانا اس میں کس جگہ پر ڈرنا ہے اور میرا خیال ہے، ہماری شادی کا دن وہ مووی دیکھنے کے لیے آئیڈیل دن ہوگا''۔ وہ ہنوز اسی شرارتی سے موڈ میں اسے چھیڑ رہا تھا۔

''آپ خوامخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ میں نے اتنی دیر میں یہ بات تو ایک دفعہ بھی نہیں کہی کہ میں آپ سے شادی کے لیے راضی ہوگئی ہوں''۔ اپنے نروس ہونے اور احمقانہ سے انداز میں شرمائے چلے جانے پر اسے خود پر بے تحاشا غصہ آیا تھا اور غصے کے ردِعمل کے طور پر یہ جملہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''خوامخواہ بے تکلف ہو رہا ہوں......'' اس نے بڑے افسوس بھرے انداز میں اس کی کہی بات دُہرائی۔

''جس لڑکی نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ اگر چراغ دین کی جگہ میں اس کے گھر کا مالی ہوتا یا پھر ادریس کی جگہ اس کے گھر کا ڈرائیور ہوتا تو وہ تب بھی مجھ ہی سے محبت کرتی۔ اگر میں اس لڑکی کے ساتھ بے تکلف نہ ہوں تو پھر تمہارے خیال میں مجھے کس کے ساتھ بے تکلف ہونا چاہیے؟''

بہت دُکھ بھرے انداز میں یہ سوال پوچھا گیا تھا۔ وہ اس کی بات سُنی اَن سُنی کر کے سردی سے بچنے کے لیے دوپٹہ اپنے گرد اچھی طرح لپیٹنے لگی تھی۔

''یہ لے لو''۔ اس نے اپنی جیکٹ اُتار کر اس کی طرف بڑھائی۔

''شکریہ''۔ اس نے جیکٹ لینے کے لیے ہاتھ آگے نہیں کیا۔

''یہ لڑکیوں کے سامنے ہیرو بننے کا اچھا طریقہ ہوتا ہے۔ اپنا کوٹ یا جیکٹ انہیں پیش کر دی جائے، خود کو پھر چاہے سردی سے بخار چڑھ جائے یا نمونیا ہی کیوں نہ ہو جائے''۔ وہ اس کے کمنٹس پر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''دیکھو، اس سال یہ موقع ملا ہے۔ اگلے دسمبر میں پتا نہیں سردی اپنی جھلک دکھائے گی بھی یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو، میں تمہارے سامنے ہیرو بننے کی سعادت سے محروم رہ جاؤں''۔

اسے خود بھی ہنسی آگئی تھی اور یونہی ہنستے ہوئے اس نے وہ جیکٹ اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔

''اور سنو، امی ویسے چاہے جتنی بھی اچھی ہوں، لیکن انہیں پھوہڑ لڑکیاں بہت بُری لگتی ہیں۔ تم آملیٹ بنانا سیکھ لو، ورنہ پھر پھوہڑ پن پر طعنے سننے کے لیے تیار ہو جاؤ''۔ اس نے جیسے اسے ڈرانا چاہا۔

''میں ہارر موویز دیکھ کر ڈرنا بھی چھوڑ دوں گی، آملیٹ بنانا بھی سیکھ لوں گی، لیکن آپ سے بھی میری ایک درخواست ہے''۔ اس نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، وہ مُسکراتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ تعلیم بالغان، علم کی روشنی گھر گھر پہنچاؤ اور تعلیم سب کے لیے...... قسم کے تمام سماجی اور معاشرتی بھلائی کے کام کرنا چھوڑ دیں گے''۔ اس نے بظاہر بہت سنجیدگی سے کہا تھا اور وہ ایک مرتبہ پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

''وعدہ میں بے شک کر لیتا ہوں، لیکن تم اسے اسی قسم کا ایک وعدہ سمجھو، جیسا ہمارے حکمران، غریب عوام کے ساتھ اکثر کرتے رہتے ہیں اور جس کے ایفا ہونے کی کوئی اُمید نہیں ہوتی''۔

وہ لوگ گھر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی پھوپھو نے ان دونوں کو ایک ساتھ آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ داؤد کی دانیا کے ساتھ کیا بات ہوئی ہے اور دانیا نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ یہ سوال انہیں ان دونوں سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جو جیکٹ اس نے پہن رکھی تھی، اسے دیکھنے کے بعد کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی باقی نہیں بچی تھی۔ ایک نظر ان دونوں کے مُسکراتے ہوئے چہروں پر ڈال کر وہ فوراً ہی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی تھیں۔ کارڈلیس اُٹھا کر انہوں نے بہت تیز تیز ایک نمبر ملانا شروع کیا تھا اور دوسری طرف وہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

''محبت کے اس شہر میں، میں تمہیں خوش آمدید کہہ رہا ہوں۔ یہاں ہم لڑیں گے بھی، جھگڑا بھی کریں گے۔ ایک دوسرے سے اختلاف بھی کریں گے، لیکن محبت ہمارے درمیان تعلق کی سب سے بنیادی وجہ ہمیشہ رہے گی''۔